منجدھار

نادم سیتاپوری

مکتبہ شاہراہ، دہلی ۶

ناشر:-

سلطان حسین مالکِ مکتبہ سلطانی

ابراہیم رحمت اللہ روڈ بمبئی ۳

باہتمام سلطان حسین مالک سلطانی فائن آرٹ پریس بمبئی سے شائع کی گئی

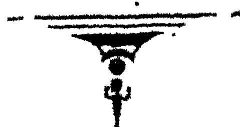
۱۵ مارچ ۱۹۳۶ء

ایڈ کل،

قیمت دو روپے آٹھ آنے

عہ/۲

فہرس



"ہما" اخلاق حسین (بار ایٹ لا لکھنؤ) کے نام

(ناؔدم سیتاپوری)

"پیشِ لفظ"

میرے افسانوں کا مجموعہ "منجدھار" ایک عرصے سے مکمل پڑا ہے۔ قریب قریب سب کاپیاں چھپ گئی ہیں۔ صرف یہ ایک جزو یعنی کل ۱۶ صفحے آپ کی وجہ سے رکے ہوئے ہیں۔ ناول کے مسودات میں ... بس اب پہلا کر یا دو صفحے کچھ لکھ دیجئے ——— گر چہ ... بس یہی چار دن ہیں۔ عین ذرہ نوازی ہوگی ——— آپ کا ——— کا ناظم

برادرم قمر نعمانی بہسرامی کی معرفت ناظم سیتاپوری صاحب کا یہ فرمان جب میرے پاس پہنچا تو آپ یقین جانیے کہ میں کچھ الجھن میں پڑ گیا۔ اس لئے کہ ناظم سیتاپوری صاحب ہندوستان کے بہت پرانے لکھنے والے ہیں اور وہ اس وقت سے لکھ رہے ہیں جب اردو ادب کے مطلع پر ترقی پسند تحریک کا ستارہ ابھی تک نہیں جگمگا رہا تھا۔ اور جبکہ ہمارے ادب میں عبارت، ... کی کمی تھی، عمیق غور و فکر سوچ سمجھ کی ضرورت کی اہمیت کو بہت کم سمجھا جایا کرتا تھا۔ بیان اور طور ... کی نشاندہی کے وقت ہمارے ادیب اس بات کو سمجھنے کی قدرت نہیں رکھتے تھے کہ وہ جو کچھ کہہ رہے ہیں حقیقت کا اس میں کہاں تک دخل ہے اور منطق کی روشنی میں ان کے بیانات کی شکلیں کس درجہ لغو و مضحکہ خیز ہو جاتی ہیں۔ اس طرف توجہ دینے کی ضرورت کو انہوں نے کبھی اچھی طرح سمجھا ہی نہ تھا۔ مگر چونکہ اس وقت لکھنے والے محدود تھے، میدان کافی وسیع تھا، وہ سب چمکنے لگے تھے۔ ان کی چھوٹی سی چھوٹی باتوں کو سراہتے ہوئے ان کی بڑی سے بڑی غلطیوں کو اس طرح نظر انداز کر دیا گیا کہ ان کو خود بھی ان غلطیوں کا کبھی دھندلا سا خیال بھی نہ پیدا ہو سکا۔ اور بس وہ ... اپنے آپ کو یہی سمجھتے رہے کہ وہ کچھ نہ ہوتے ہوئے بھی سب کچھ ہیں۔ ... تے ہوئے ہیں ...

اونچے ہیں کہ ان تک کبھی کوئی پہونچ ہی نہیں سکتا۔

اور مجھے یہ کہتے ہوئے ذرا بھی جھجھک نہیں محسوس ہو رہی کہ موجودہ دور سے پہلے کے دور کا ہر ادیب مکمل تربیت یافتہ نہیں تھا۔ ان میں سے بیشتر ایسے تھے جنہوں نے کبھی ماہر فن عکاس بننے کی کوشش نہیں کی۔ انہوں نے کبھی اس چیز کی ضرورت ہی نہیں سمجھی کہ اپنے قلم کو جنبش دینے سے پہلے وہ اس ماحول کو اچھی طرح جاننے اور سمجھنے کی کوشش کریں جسے وہ پیش کرنا چاہتے ہیں۔ ادیبوں کی ایک ایسی بنیادی کمزوری تھی جس سے بڑے سے بڑا ادیب بھی محفوظ نہ رہ سکا یہاں تک کہ نیاز فتحپوری جیسے مشہور و معروف ادیب نے بھی اکثر و بیشتر ٹھوکریں کھائی ہیں۔ نیاز صاحب کو بیشتر پارسی حسن ملکوتی نظر آیا۔ ان کے اس بیان کی روشنی میں ہم نے بھی اپنے ذہن میں یہ اچھی طرح جما رکھا تھا پارسی دوشیزہ دنیا بھر کی عورتوں میں سب سے زیادہ خوبصورت طرحدار و نازک ہوتی ہے۔ حوران بہشتی کے جواب میں اگر دنیا کی کوئی عورت بطور تحفہ کے پیش کی جاسکتی ہے تو وہ صرف یہی عورت ہے۔ اگر یہ حقیقت بے نقاب ہو کر ہمارے سامنے آتی تو ہمارے یقین کو ایک زبردست ٹھیس لگتی۔ اور ہم نے سوچا کہ کاش نیاز صاحب نے اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کیا ہوتا اور صرف نیاز فتحپوری صاحب ہی پر موقوف نہیں بلکہ ہمارے بیشتر پرانے ادیبوں نے چھان بین کی زحمت کبھی گوارہ نہیں فرمائی۔ ان سب کے یہاں مشاہدات سے زیادہ خیالات کو دخل رہا ہے انہوں نے قیاس آرائیوں ہی کو اپنے ادب کی معراج سمجھ رکھا تھا۔

ان کے یہاں الف لیلیٰ کی رنگین داستانیں تھیں۔ سب سے بڑا پلاٹ کا الجھاؤ تھا۔ بیشمار پیچیدگیاں تھیں مقفیٰ عبارت آرائی اور لفظوں کے الٹ پھیر میں الجھ جانا ہی قابل قدر سمجھا جاتا تھا۔ کچھ حضرات عہد قدیم دبدبہ آرائیوں کا ذکر چٹخارے لے لیکر کرتے تھے۔ نثر میں بھی قافیہ

کہانی کا جنون حد سے زیادہ بڑھا ہوا تھا اور کچھ اصحاب ONCE APAN A TIME
کے قائل تھے۔ THER WAS A KING

لہذا قدرتی طور پر جب نادم سیتاپوری صاحب کی کتاب ۔ منجدھار ۔ پر کچھ لکھنے کا سوال پیدا ہوا تو معاً میرے دماغ میں یہی تمام خیالات پیدا ہونا شروع ہو گئے اور میں سوچنے لگا کہ اب مجھے کیا کرنا چاہیے۔

میں نے نادم صاحب کو اس سے پہلے کبھی نہیں پڑھا تھا۔ میں ان کے بارے میں سوا اس کے اور کچھ نہیں جانتا تھا کہ وہ میرے مخلص دوست ہیں اور ہندوستان کے بہت پرانے لکھنے والے۔ اور یہ بھلا کیوں وہ مجھے بے حد پسند کرتے ہیں۔ اور چونکہ میں ان کی دوستی محبت اور خلوص کا دل سے قائل ہوں۔ تو پھر آپ ہی بتائیے کہ میرے لئے کتنا مشکل سوال تھا، کتنا اہم فریضہ کہ میں ان کی کتاب پر مقدمہ لکھوں۔

آپ یقین فرمائیے کہ ادب کے معاملہ میں جتنا اور جو کچھ میں سمجھتا ہوں میں اسے بلا جھجک کہہ دینے کا پرانا مجرم ہوں۔ خود مجھ سے جرم کیا، شاید کتنی ہی بڑی سزائیں بھگتنی پڑیں۔ میرے دو احباب اور اعزا جو اکثر و بیشتر ادیب یا شاعر ہیں مجھ سے محض اس لئے بدظن ہو گئے ہیں محض اس بنا پر مجھ سے قطع تعلق کر چکے ہیں کہ میں نے [illegible] کا نام [illegible] بے تکلفی سے اپنی رائے کا اظہار کر دیا تھا۔

اور پھر میں نے سوچا نادم صاحب بھی تو خیر سے ہیں لکھنے والوں میں سے ایک ہیں۔ ان کی بابت بھی یہی تمام چیزیں ہوں گی اور پھر جیسے [illegible] سوچتا گیا [illegible] کا اپنا [illegible] دوستی کا پردہ چاک ہوتے ہوتے [illegible] دینے لگا اور اس پردہ کے پیچھے [illegible] کا [illegible] چہرہ نظر آیا۔ میں نے [illegible] لکھیں [illegible] نے کیا بات کہی [illegible]

کرم فرمائی کا اتنا [illegible] ساتھ دینے پر آپ کو کسی حالت میں راضی نہیں کر سکتا تھا [illegible]
مسودات [illegible] [illegible] [illegible] ناظم
صاحب نے مجھے ہدایتیں کیوں نہ دی ہیں۔

آپ ناظم صاحب کی کتاب پر تقدیم لکھ رہے ہیں [illegible] جب میں گھر آیا تو
عذرا بیگم صاحبہ [illegible] جواب [illegible] نے بڑے شوق کے ساتھ مجھ سے کہا۔

کیوں ۔۔۔۔ ؟ میں سمجھا ناظم صاحب کا شاید کوئی خط [illegible] ہوا ہے
کیا انہوں نے کچھ کہلا بھیجا ہے۔

انہوں نے نہیں کہلا بھیجا لیکن ان کے افسانے خود [illegible] کا [illegible] ہیں

کیا مطلب ۔۔۔۔ ؟

جی ہاں۔ عذرا بیگم نے فرمایا۔ میں نے آج صبح ان کے تمام مسودات پڑھ لئے ہیں۔

کیسے ہیں افسانے ۔۔۔

پڑھ لیجئے ۔۔۔ آپ ناظم صاحب کے قائل نہ ہوں تو میرا ذمہ [illegible] ۱۹۳۰ء
کے صف اول کے لکھنے والوں سے بھی [illegible] کا [illegible] ہے۔

اچھا ۔۔۔ مجھے بڑی خوشی ہوئی اور میں نے تمام مسودات پڑھے۔

ناظم صاحب کے افسانے پڑھ کر مجھے اپنی غلطی کا احساس [illegible] احساس ہوا
[illegible] سوچا کہ [illegible] ناظم صاحب کو پہلے ہی پڑھا ہوتا تو [illegible] [illegible]
آج اتنی الجھن ہوتی۔

ناظم صاحب کے تمام افسانے [illegible] میں شامل ہیں حقیقتاً وہ
سب کے سب [illegible] قابل ہیں [illegible] [illegible]

سے نازک مسئلہ پر بحث کی ہے۔ اور کہیں پردہ میں ہنسا رہے ہیں۔ مگر اس انداز میں کہ ان کی مزاح نگاری پھکڑ بازی کی زد میں شمار نہ ہونے لگے۔ کہیں پردہ ایک ماہر فن فنکار کی طرح جنسیاتی مسئلہ پر بحث کر رہے ہیں۔ ایک بازاری طوائف انتہائی گھٹیا قسم کی جو صرف چند ٹکوں میں جنسی بھوک کو دور کر سکتی ہے۔ اسکے کیرکٹر اور اس کے ماحول کو نادم صاحب نے جس خوبصورتی کیساتھ ہمارے سامنے رکھا ہے وہ یقیناً حقیقت نگاری کی ایک جیتی جاگتی تصویر ہے اور یہیں پر ہمیں نادم صاحب کے آرٹ کا قائل ہونا پڑتا ہے۔ ہم بلا تامل کہہ سکتے ہیں کہ نادم صاحب دور حاضر کے ترقی پسند ادیبوں سے کسی صورت میں بھی کم نہیں ہیں وہ اس دور میں سب کے ساتھ ہیں۔

آپ منجدھار کا ہر افسانہ پڑھیئے۔ اور پھر خود ہی فیصلہ کیجئے کہ نادم صاحب ایک فنکار کی صورت میں ہمارے سامنے آئے ہیں کہ نہیں۔

۔ آنچ ۔ بھلے آدمی ۔ ٹکا بھیاں ۔ ہچکولے ۔ جب جوانی آ رہی تھی ۔ ماموں ذات ۔ اللہ کی دین ۔ جہاں بات بنائے نہ بنے ۔

اور اسی قسم کے دوسرے افسانے نادم صاحب کی فنکارانہ صلاحیتوں کے آئینہ دار ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ نادم صاحب کا مشاہدہ کتنا وسیع اور نگاہیں کتنی دور رس ہیں وہ ماحول میں کس طرح جذب ہو جاتے ہیں۔

اس مجموعہ کے تمام تر افسانے ایسے ہیں جن میں زندگیاں چلتی پھرتی ہمارے سامنے آ جاتی ہیں۔ افسانہ کا ہر کردار ہمیں چلتا پھرتا دکھائی دیتا ہے۔ اور افسانہ "[illegible]" یہ ایک ایسا کمال ہے جس کی موجودگی اسے ایک مکمل فنکار آرٹسٹ کی شکل میں ہمارے سامنے پیش کرتی ہے۔ اور ہم آرٹسٹ کے آرٹ کو دل سے چاہنے لگتے ہیں۔

میرا خیال ہے کہ نام صاحب کے یہ افسانے ملک کے طول وعر[illegible]
پسند کیے جائینگے۔ اور ان کی کتاب " منجدھار " اردو ادب کی عمدہ کتابوں میں ایک قیمتی
اضافہ ثابت ہوگی۔

عادل رشید

کیڈل روڈ، ماہم بمبئی ۱۶ ، ۷ مارچ ۱۹۴۶ء

آنچ

سارا دن بہی کھاتے کی چھان بین کرتے ــــ روکڑوں کی میزانیں جوڑتے رہتے جب شام کو وہ تب جی گھر میں آتے تو ریڈیو پر کھٹ، دو چٹکتے ہاؤ سنتے ہی۔ سنتے ان کی آنکھوں میں تھکاوٹ ــــ جوڑ جوڑ میں درد ــــ اور سارے بدن میں الکساہٹ کا سمندر موجیں مارنے لگتا۔ حقے کے دو چار لمبے کش کھینچ کر وہ خوب آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتے تو یہ ریڈیو والے یا تو سطحی شاعروں کی غزلیں شروع کر دیتے یا ٹھمریاں۔ کبھی کبھی دیہاتی پروگرام شروع ہو جاتا ــــ پاٹ دار آوازیں۔ ڈرامے کے مکالمے کان کے پردے پھاڑنے لگتے ــــ انگریزی میں تقریر ہونے لگتی۔ ان کے تھکے ہارے دماغ میں یہ نرم، غیر شاعرانہ چیزیں اس طرح ٹکرا جاتیں جیسے شے لطیف سے معمور دلوں میں سونے چاندی کے بھاؤ! ان کے تخیلات کی وسعتیں زیادہ سے زیادہ خبریں سن سکتی تھیں جن کو بدرستی حواس خمسہ اکثر وہ سن اور سمجھ کر اپنے منیم اور دوسرے سیاستدانوں سے تجزیہ بیان کیا کرتے گویا کہ سیاسیات میں وہ مہاتما گاندھی اور مسٹر جناح کے ہم پلہ ہیں۔

ریڈیو بند کر کے وہ کرسی پر لیٹے لیٹے پاؤں پھیلا دیتے ــ!

اری جمنا ــــ! کہاں مر گئی۔ میرا بدن ٹوٹ رہا ہے۔

جمنا ـــ جی آئی لالہ جی ۔ کہتی ہوئی آجاتی اور چپ چاپ بیٹھ کر پاؤں کی انگلیاں چٹخا کر انگوٹھے مروڑنے لگتی۔ دوبے جی آنکھیں بند کئے ہوئے منہ پھاڑ پھاڑ کر جمائیوں پر جمائیاں لیتے جمنا کے گورے گورے ہاتھ لالہ جی کی پنڈلیاں دباتے رہتے، جن پر اُگے ہوئے بالوں کے گچھوں کو بچانے کیلئے وہ اپنے ہاتھوں کی گرفت ملائم اور ڈھیلی رکھتی ـــــ اتنی دیر میں نہ جانے لالہ جی کتنی ہی دو دو منٹ کی نیندیں لے ڈالتے۔ جمنا کے ہاتھ اپنا وقت پورا کر کے تلوؤں کو سہلانے لگتے۔ وہ تلملا کر انگڑائیاں لیکر جاگ جاتے ان کو پاؤں خود بخود سمٹ کر نیچے ہو جاتے ـــــ!!

جمنا چپ چاپ چلی جاتی ـــ

لالہ جی اٹھکر سوئیٹن بولتے ـــ بھا جی ـــ اُبلا ہوا ساگ ـــ کھانا اور تلی پوریاں، ہضم کرنے کے لئے چند جگر خراش ڈکاریں اس طرح لیتے جیسے ۔ جاپانی مارکین ۔ پھاڑی جاتی ہے ۔۔ اوم نارائن ۔ کہتے ہوئے پلنگ پر لیٹتے ہی ان کو تن بدن کا ہوش نہ رہتا۔ نیند پوری کر لینے کے بعد صبح ہونے سے پہلے ہی ان کے بے ہنگم خراٹے ان کو جگا دیتے۔

بیس پچیس سال سے ان کی زندگی کی روزمرہ یہی رفتار تھی ـــ!

جمنا ـــ ایک نخیز کلی تھی، بچارے، گرمی اور برسات کی پندرہ سولہ بہاریں اس نے اسی ۔ دیا لو جیون ۔ کی چھایا میں بتائی تھیں ۔ وہ کتنی چھوٹی تھی جب دوبے جی نے اسے پال لیا تھا ـــ! یہ خود اسے یاد نہ تھا ۔

ماں کا نام تو اس نے ضرور سنا تھا لیکن اس نے اس قسم کی کوئی چیز نہیں دیکھی تھی جس پر ماں ہونے کا شبہ کر سکتی۔ دوبے جی کا اندھیر اگھر اس کے آنے سے پہلے ہی ایسا تھا۔ وہ ایک بڑے کاروباری آدمی تھے، اپنی اونچی ذات کے لحاظ سے تو ان کو ایک ۔ دیانت ۔ ہونا

تھیں، ان کی سفید سفید مونچھیں جن کو حقے کے نیلگوں دھوئیں نے بھورا کر دیا۔ کچھ کم ساٹھ سال سے اسی ماحول میں بڑھتی رہی تھیں۔ جن سے ذہنیت کاروباری اور دماغ سرمایہ پرست بن چکا تھا۔

ان کی بیشمار پونجی جس پر ہر سال دیوالی کے دیئے جگا کے جاتے تھے، بینکوں میں بہت کم تھی۔ زیادہ تر ان کے دفینے اسی گھر میں گڑے ہوئے تھے جس میں ان کا ایک نوکر اور ایک پالک۔ جمنا رہتی تھی، بوڑھا نوکر لالہ جی کی سیوا کرتے کرتے جمنا کی طرح ان کے کنبہ کا ایک رکن بن گیا تھا جس پر انہیں اتنا ہی بھروسہ تھا۔ جتنا اعتبار وہ خود اپنے آپ پر کر سکتے تھے۔ وہ بے جی کی، دھرم پتنی۔ صرف ایک بچی کی ماں ہونے کے بعد ہی اس دنیا سے چل بسی تھی۔ اس نے اپنے ساتھ ہی اس کمسن بچہ کو بھی اپنے پاس بلا لیا تھا جس میں شاید یتیم رہ کر جینے کی سکت باقی نہ تھی ــــ!

بیس پچیس سال ادھر کی یہ بات تھی ــــ! اس کے بعد بھول کر بھی دو بے جی نے کبھی اپنا گھر بسانے کا خیال نہیں کیا۔ شاید ان کا دل گرہستی کے جنجال سے گھبرا گیا تھا ــــ! وہ سوچتے تھے کہ اگر بھگوان مجھے آباد ہی رکھنا چاہتے تھے تو اُجاڑتے کا ہیکو۔ اب ان کے دل میں سوائے روپیہ جوڑتے کے، اور کوئی بھی ہوس نہ تھی۔ اس بیس پچیس برس کے اندر ان کے دل میں کوئی بھی ایسا جذبہ نہ جاگ سکا جو ان کے جیون میں آشاؤں کا ایک دیا بھی جلا سکتا وہ ایک برف کی منجمد چٹان کی طرح بےحس وحرکت اپنی کاروباری دنیا میں مصروف رہتے ــــ ان کے حسیات میں اتنے دنوں سے کوئی بھی انقلاب نہ آسکا! کولہو کے بیل کی طرح دم بھر کام میں لگے رہنا، کھانا، پینا، ریڈیو سننا اور سو جانا ــــ اس سے زیادہ ان کی زندگی کا کوئی پروگرام نہ تھا ــــ!!

جمنا کی امنڈتی ہوئی بوانی بھی ان کو چونکا نہ سکی۔ گویا ایک چھوٹی سی ندی جس

ہیں موجوں کی روانی مدھم سُروں میں گا رہی ہو ــــ اُن کے سپنوں کا سنسار ۔ کتنا خاموش سہمیہ جیون تھا ۔ جس میں کبھی بھی کوئی رنگین خواب نظر نہ آ سکا ۔ بڑھاپا ۔ سو بیماریوں کی ایک دوا ہوتی ہے ۔ فصل کی معمولی تبدیلی سے کمزور جسم کو نت نئے روگ لگ جاتے ہیں ۔ دو بے جی بھی ایک صبح جب سو کر اُٹھے تو سر میں میٹھا میٹھا درد اور خفیف سی حرارت تھی ! بستر پر پڑے پڑے جمنا کو آواز دی ــــ !

" جا کر دکان پر فون کر دے ! آج میرا جی اچھا نہیں ہے شاید نہ آ سکوں او "

" جی اچھا " کہتی ہوئی جمنا " فون " کرنے چلی گئی ۔

تھوڑی دیر بعد واپس آ گئی ــــ

" کیسی طبیعت ہے لالہ جی "

" اچھا ہوں کچھ سر میں درد ہے " لالہ جی تکیے پر ماتھے کو ٹیکتے ہوئے بولے !

" لاؤ میں سر دبا دوں " جمنا نے کہا !

" نہیں کیا کرو گی " آنکھیں بند کئے ہوئے لالہ جی نے جواب دیا !

" نہیں ــــ لاؤ میں سر دبا دوں گی ۔ تکلیف نہ ہو گی " جمنا بولی ۔

لالہ جی بدستور کروٹ لئے ہوئے لیٹے رہے ۔ جمنا آہستہ سے پلنگ پر بیٹھ کر سر دبانے لگی ! ان کی آنکھیں بیجان مجسمہ کی طرح بند تھیں ! جمنا کے گورے گورے ہاتھ اُنکے ماتھے کی سلوٹوں اور سر کے چھوٹے چھوٹے سفید بالوں پر اس طرح تیر رہے تھے ۔ جیسے کسی نہر میں بطوں کا جوڑا رقص کر رہا ہو ! اُن کی آنکھوں میں فرض اور انہماک کیساتھ سرخ سرخ ڈورے چمک رہے تھے جن کی مقناطیسی کشش پتھر کی چٹانوں میں جُنبش پیدا کر سکتی تھی ! لالہ جی کی پیٹھ سے لگی ہوئی اس کی دھانی ساری سے اس کا بلوریں جسم سنگ مرمر کی طرح جھلک

رہا تھا۔ اور جڑی ہوئی رانوں سے چقماق کے ٹکراتے ہوئے پتھروں جیسی آنچ نکل رہی تھی! لالہ جی کو خود حرارت تھی۔ لیکن کئی بار اسکے گرم گرم دھکتے ہوئے ہاتھوں کی حدت سے وہ چونک پڑے! پسینے کے چند قطرے جمنا کے ماتھے پر جمع ہوکر موتیوں کی طرح مچلنے کے لئے بیقرار ہو رہے تھے! جن کو کئی مرتبہ اس نے اپنی بانہوں سے پونچھ ڈالا تھا۔ مگر بار باران کی بیقراریاں رو کے نہ رک سکیں! اور چند قطرے لالہ جی کے جھریوں دار چہرہ پر ٹپک ہی پڑے انہوں نے آنکھیں کھولدیں۔

"رو رہی ہے —— جمنا۔"

"نہیں تو لالہ جی —— شائد پسینہ ٹپک گیا ہوگا" اس نے پیشانی پونچھتے ہوئے جواب دیا ——

آج زندگی میں پہلی بار ان کی آنکھیں جمنا کی نگاہوں سے ٹکرا گئیں۔ وہ بولے!

"رہنے دو —— شائد تم تھک گئیں!

"نہیں میں تھکی نہیں —— لالہ جی"

لالہ جی نے کروٹ بدلی! جمنا دوسری طرف بیٹھ کر پھر سر دبانے لگی!

ان کے سالخوردہ جسم سے ایک بار جمنا کا تپتا ہوا جسم مس ہو گیا! منجمد خون کی روانی میں ایک تڑپ سی پیدا ہو گئی۔ برف کی چٹان سورج کی برق پاش کرنوں سے جنبش میں آگئی۔ لالہ جی نے آج بیس سال کے بعد جوانی کی ہلکی ہلکی آنچ کو اپنی رگ رگ میں سرایت ہوتے ہوئے محسوس کیا! ان کے بڑھاپے میں نوجوانی کا سمندر لہریں لینے لگا۔ آنکھیں کچھ دیر کے لئے کھلی کی کھلی رہ گئیں اور دل کی حرکت لمحہ بھر کو رک گئی! ان کا جسم بے قابو ہونے کے لئے بیتاب ہو رہا تھا۔ وہ سچ مچ اس یکایک تبدیلی سے گھبرا گئے۔

،پانی ۔

جمنا ٹھکر پانی لینے کو چلی گئی۔ ان کے خیالات میں عجب ہیجانی کیفیت پیدا ہو رہی تھی!

دو گھونٹ پانی پی کر وہ اٹھ بیٹھے اور جمنا کو سر دبانے سے منع کر دیا۔

دو تین روز میں لالہ جی کی طبیعت ٹھیک ہوگئی۔ لیکن ایک نئی خلش کانٹے کی طرح ان کے دل میں چبھ رہی تھی۔ وہ سوچ رہے تھے کہ جس زندگی کے خاموش خواب آج پچیس سال سے ٹھہرے ہوئے پانی کی طرح ساکن اور بے حس ہیں! ان میں دفعتاً ایسی خوفناک...... ......اور تباہ کن...... تبدیلی! ان کا سارا بدن کانپ اٹھتا جب وہ سوچتے کہ جمنا کو انہوں نے اپنی اولاد کی طرح پالا ہے...... پھر...... پھر بھی کیا ہوا...... مرد مرد ہی ہے......!

ایک ہلکی ہلکی آنچ نے جس دوشیزگی کی مقناطیسی کشش ان کے جسم بھر میں کھپا دی تھی۔ ایک کانٹے کے مانند کھٹک رہی تھی۔ اپنی جوانی کے کتنے پریشان خواب اُن کو رہ رہ کر جھنکار رہے تھے......... اب سے بہت دن پہلے کی زندگی یاد آرہی تھی ——!

بیماری سے اٹھنے کے بعد ڈوبے جی نے کتنی راتیں اسی سوچ وچار میں گذاری تھیں!

جمنا اب بھی ہاتھ پاؤں دبا کر تلوے سہلاتے سہلاتے چلی جایا کرتی۔ ایک دن ان کی طبیعت کچھ زیادہ کسل مند تھی۔ دوکان سے آکر ریڈیو بھی نہیں سنا۔ رسوئی بھی نہیں گئے! چپ چاپ منہ لپیٹ کر پڑ رہے! مسکراتی ہوئی جمنا آئی!

۔ کھانا کھا لو لالہ جی ۔

میں آج کچھ نہ کھاؤں گا جمنا۔ میرے بدن میں درد ہو رہا ہے۔ لالہ جی نے ایک انگڑائی لیکر آنکھیں کھولدیں۔

" تو میں بدن دبائے دیتی ہوں۔"

اُنہوں نے کروٹ لے لی۔ جمنا پاس بیٹھ کر آہستہ آہستہ پاؤں دابنے لگی۔ اس کی کالی ساری کا پلو کئی مرتبہ جسم کی جنبش سے سرک کر شانوں پر آگیا۔ اسکے ملائم ہاتھ سارا بوجھ ان کی پنڈلیوں پر ڈالے ہوئے تھے۔ اور اس کا آدھا جسم لالہ جی کے جسم سے ٹکرا رہا تھا۔ اسکے جسم سے ویسی ہی آنچ نکل رہی تھی۔ جس کی بھینی بھینی خوشبو لالہ جی کی دماغ کی گہرائیوں میں گھر کر چکی تھی انہوں نے یکایک آنکھیں کھول کر کروٹ لے لی۔ جمنا اس طرف سے اُٹھ کر پھر دوسری طرف بیٹھ گئی۔ اس کے ہاتھ بدستور پنڈلیوں سے گذر کر ران کی کمر تک دوڑ رہے تھے۔ کبھی کبھی پیٹھ اور شانوں تک پہونچ جاتے۔ لالہ جی کی آنکھوں میں نیند کا نام تک نہ تھا۔ ان کے بے ہنگم خراٹے ضرور سو رہے تھے۔ بدن کا رواں رواں چونکا جا رہا تھا۔ بار بار آنکھیں بند ہوکر خود بخود کھل جاتیں۔ جمنا کی نگاہیں زیادہ تر شانوں پر سرک جانیوالی ساری کی نگہبانی میں مصروف تھیں۔ جسے ہر بار وہ درست کرتی رہتی۔

جب لوہے کو نرم نرم آنچ پر تپایا جاتا ہے تو اس کی رنگت سرخ انگاروں کی مانند میں بدل جایا کرتی ہے۔ تھوڑی دیر بعد لوہے کا وہ بدنما ٹکڑا ایک خوبصورت لال کی طرح چمکنے لگتا ہے۔ جس کی سختی اور ناہموار کچھ آنکھوں کی جاذبیت قبول نہیں کرتی۔ بالکل یہی حالت لالہ جی کی ہو رہی تھی۔ ان کے جسم پر پڑی ہوئی بڑھاپے کی جھریوں میں آج بلا کا تناؤ تھا پھر یہ پڑی ہوئی کھال دلی کیفیات کیساتھ موجوں کی طرح سمٹ رہی جاتی کہ کس آنے والے طوفان کیلئے رستہ چھوڑ گئی تھی۔ چہرہ خون کی روانی کی وجہ سے سرخ ہو رہا تھا۔

"مست شرابی کی طرح مخمور آنکھیں کو ندر جمنا کی معصوم نگاہوں سے الجھ گئیں۔ "کروٹوں میں " زلزلہ آگیا۔ دونوں ہاتھوں نے " دھنش " کی طرح کج ہو کر بلند ہوتے ہوئے جمنا کے ماہتاب جیسے چمکتے ہوئے چہرے اور ساون کی گھٹاؤں کی طرح بکھرے ہوئے بالوں کا حلقہ بنالیا۔"

پاس ہی گلی سے اونچے سُروں میں گانے کی آواز آرہی تھی۔
کِسی کی خاک میں ملتی جوانی دیکھتے جاؤ "

"یہ بھابیاں"

کسی بُری نیت سے نہیں! دراصل بھابی کی عادت ہی تھی کہ ان کے پیٹ میں پانی پچتا ہی نہیں تھا۔ ذرا کسی نے کوئی بات کہی اور وہ بیچاری پیٹ پکڑے ہوئے دوڑیں گلنار۔ بوانصیبن۔ بی مغلانی حتیٰ کہ رکمنی مہترانی کا بھی ہاتھ پکڑ کر کہہ دیتیں "بہن آج خالد بیوی یہ کہہ رہی تھیں بے بھلا تم ہی بتاؤ میری جوتی کو کیا پڑی جو سب سے کہتی پھروں کہ یہ ہُوا...... مجھ سے کہتی تھیں کسی سے کہیے گا نہیں" یہ بالکل واقعہ ہے کہ معمولی اور سچے واقعات کو بلا کم و کاست سنسنی خیز بنا دینے کے معاملہ میں وہ رائٹر ([illegible]) فری پریس۔ اور بھائی امین سلونوی کی انڈیپنڈنٹ نیوز سروس کو بھی مات کیے ہوئے تھیں۔ دو کالمی اور چو کالمی خبروں کا تو ذکر ہی کیا اکثر ان کی بیان کی ہوئی خبریں معمولی اور روزمرہ کے واقعات کو بات کا بتنگڑ بنا دیتیں۔ ہوتا یہ تھا کہ اکثر صبح کی چاء پر اخبار آنے سے پہلے ہی وہ ایسی خبریں براڈکاسٹ کر چکی ہوتیں کہ ایک ایک واقعہ پر سارا سارا دن ریویو کیے جاتے۔ اور معاملہ کی اہمیت میں کمی نہ ہوتی اسی لیے میں نے ان کا نام رکھ دیا تھا "بے چھپا اخبار"۔ اس دن بھی بات تو کوئی نہ تھی صرف اتنا واقعہ تھا کہ سلیم کو کچھ حرارت سی معلوم ہو رہی تھی۔ میں ٹمپریچر لے رہا تھا۔ خدا جانے بھابی کو تکنائی سے کیا شبہ ہوا فوراً دوڑی ہوئی پہنچیں۔

"یہ کیا ہو رہا ہے۔"

میں نے تھرمامیٹر چھپاتے ہوئے جواب دیا "جی کچھ نہیں، آپ کو کیا؟"

بھابی کے ذوقِ اشتیاق میں ہلچل مچ گئی۔

"نہیں کچھ تو ضرور ہے تم کو بتانا ہوگا۔"

"تو آپ بلا پوچھے ہوئے نہیں مانیں گی؟"

"جی ..... جلدی بتایئے کیا بات ہے؟"

میں نے ان کے کان کے قریب جا کر کہا بیگم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے!

"یہ جو ہیں .... کیا نام کہ بس سمجھ جایئے ان کے ہاں"

"ارے بھئی کچھ کہو گے بھی .... کیا ہوا ان کے یہاں ...." بھابی نے زور سے رازداری کی داد دی۔

"وہی تو کہہ رہا ہوں آپ سنتی بھی ہیں؟ بس سمجھ جایئے کہ ان کے یہاں خوشی ہونیوالی ہے۔"

"جھوٹ بالکل جھوٹ! دلھن کیا یہ سچ ہے؟" بھابی نے بیگم کو بھی مخاطب بنا لیا۔ وہ جھینپ گئیں۔

"خیر جانے دیجئے! اسی لئے تو کوئی بات آپ کو بتاتا نہیں ہوں۔ یہ جو آلہ لایا ہوں انگریزی یہ بھی جھوٹا ہے؟" میں نے جیب کے ایک کونہ سے تھرمامیٹر کا سر نکالتے ہوئے کہا۔

"کیسا آلہ؟ لاؤ دیکھوں تو!" بھابی کا اشتیاق بڑھ گیا۔

"جی دیکھنے کی نہیں ہوتی ...... پھر یہ تو جھوٹا ہے"

"میں کہتی ہوں اس موئے آلے میں کیا ہے دیکھوں تو"

"میں بھی کہتا ہوں کہ یہ عورتیں نہیں دیکھتیں ۔ اس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ انڈے میں مرغی ہے یا مرغا۔"

بھابی جھینپ گئیں۔ بیگم مسکرا کر غسلخانہ میں بڑھیں لیکن بھابی کو کہاں چین تھا میرے قریب سرک کر رازدارانہ انداز میں پھر پوچھنے لگیں "تمہیں میری جان کی قسم سچ سچ بتاؤ کیا بات ہے؟"

"بات تو کچھ نہیں صرف اتنی بات ہے کہ اب کے یہاں لڑکی پیدا ہونیوالی ہے۔"

"تو اس آلے سے تم یہی دیکھ رہے تھے۔ میں اب سمجھی۔"

جس طرح اخبار کے نمائندے کسی لیڈر کے منہ کی بھاپ پا کر اپنے دفتروں کی طرف خوش خوش بھاگتے ہیں بالکل اسی طرح بھابی نے "میرے بیان کو سن کر" عوام الناس کی طرف رُخ کیا۔ تھوڑی ہی دیر میں سارے گھر میں بھابی نے یہ خبر براڈ کاسٹ کر دی۔ اب کیا تھا جسے دیکھو "بیگم" کی طرف عجب طائرانہ انداز سے دیکھ رہا تھا۔ بیگم تھیں کہ قدم قدم پر کٹی جا رہی تھیں۔ ہزار ہا قسمیں کھا کھا کر بھابی کو اپنی "بیگناہی" کا ثبوت دینے کی کوشش کر رہی تھیں لیکن بھابی کہاں اس "شاعرانہ انکسار" میں آنیوالی "اے لو بیوی! یہ بھی کوئی چھپانے کی بات ہے۔ اللہ کل کے لاتے آج ہی وہ دن دکھائے تم دودھوں نہاؤ۔ پوتوں پھلو..... نا..... نا ایسی باتوں میں مذاق اچھا نہیں ہوتا۔"

مختصر یہ کہ بیگم کی تمام "صفائی" بیکار ہو گئی۔ بھابی نے امی جان کو یقین دلا دیا کہ کچھ دال میں کالا ضرور ہے۔ فوراً میڈوائف بلائی گئی۔ لیکن شاید کمبخت کو بھابی سے عداوت تھی۔ فیصلہ بھابی کے خلاف ہوا۔ یعنی "کوئی بات نہ تھی"۔ بیگم اس مذاق سے بڑے

آٹھ دن تک مجھ سے منہ چھپاتے رہیں ۔

آئے دن ایسا ہی ہوتا رہتا ۔ سارے گھر کا ناطقہ بند تھا لیکن کسی میں اتنی ہمت نہ تھی جو کچھ بولتا ۔ کیونکہ بھابی کی یہ صحافتی خدمات بیبائی اور خلوص پر مبنی ہوتی تھیں ۔ یعنے ان میں استادانہ سے پرخاش کا خیال بالکل نہیں ہوتا تھا ۔ دوسرے یہ کہ کچھ ظاہری ذریعہ عزت وحقی انہیں ۔ مطلب یہ کہ ان کا ۔ براڈ کاسٹنگ اسٹیشن کسی بیوپار ۔ صورت نہیں تھا ۔ بلکہ خالصاً لوجہ اللہ ۔ یہی وجہ تھی کہ ایکم ٹیکس کو ان کی گزارش یا حوالی داخلی "کمرخت" کرنا پڑتی ۔ جب کبھی مقطع میں کوئی سخن گسترانہ بات آجاتی ۔

ہاں تو ایک روز ہوا یہ کہ میں اپنے کمرے میں خاموش بیٹھا ہوا ۱۱ بجے کچھ پرانے خطوط اور البم کی تلاشی لے رہا تھا کہ ناگاہ و یا قضائے کا نمودار ہوئیں بھابی صاحبہ اپنی تمام طمطراق سے ۔ میں جب محبت کے عالم میں تصویروں کے البم سے کھیل رہا تھا ۔ کالج لائف کی پرکیف اور کبھی نہ بھولنے والی زندگی کے لطیف خواب آہستہ آہستہ فلم کی طرح آنکھوں کے سامنے ناچ رہے تھے ۔

دفعتاً کرسی کے پیچھے سے بھابی نے ہاتھ بڑھا کر تصویروں کا البم جھپٹ لیا میرے چہرہ کو دیکھا اور پھر پیش نظر تصویر کو ۔

"یہ تصویر کس کی ہے ؟"

میں نے بلاتامل عرض کیا ۔

"میری جان و دل کی مالک کی"

"کون ہے ؟" بھابی نے یا آواز کو ملائم کرتے ہوئے پوچھا ۔

"یعنی یہی کہ جن کو آپ دیکھ رہی ہیں۔"

"ہاں تو یہی تو پوچھ رہی ہوں کہ یہ ہے کون۔"

"بس یہی۔ کیا نام ؟ کہ سمجھ لیجئے میری محبوبہ ..... !"

"اچھا تو یہ باتیں ہیں جناب کی۔ بھابی نے کولمبس کی طرح امریکہ دریافت کر لینے کے انداز میں کہا۔!

"جی ہاں ! دل ہی تو ہے۔ میں نے مصرع پر مصرع لگا دیا۔

"بہت خوب۔ اچھے آپ اور اچھا آپ کا دل۔ آخر یہ ہے کون۔"

"لیکن یہ پوچھنے کا آپ کو حق نہیں"

"مگر بتانا تو پڑیگا تم کو" بھابی نے تحکمانہ لہجہ میں کہا۔

"ہاں تو بتا ہی دوں گا"

"نہیں ابھی"

"اچھا سنئے۔ لیکن ایک شرط ہے کسی تیسرے آدمی کو یہ باتیں نہ معلوم ہوں۔" میں نے رازداری کا وعدہ لیتے ہوئے کہا۔!

"میری پیاری صفیہ کی"

اتنا سننا تھا کہ بھابی سر ہو گئیں، ولدیت، قومیت، سکونت غرضکہ سب کچھ تو پوچھ ڈالا۔ میں بھی کہنے پر تلا بیٹھا تھا۔ عرض کرنا شروع کر دیا۔ پچھلے دنوں جب میں دہلی گیا تھا تو صفیہ سے ملاقات ہوئی ریل میں۔ وہ بھی کیسے کہ میں لگا ہوں کے راستے دل کھو چکا تھا۔ ان کے حسن و جمال نے مجھے اپنا لیا۔ علیگڑھ میں پڑھتی ہیں۔ بہت شریف ہیں۔ آہ۔ ! گویا میں کسی ڈرامے کے "ڈائیلاگ" بول رہا تھا۔ لیکن۔ لیکن بھابی خدا کے

لئے آپ کو میری جان کی قسم کسی سے کچھ نہ کہئے گا" میں نے کئی ٹھنڈی سانسیں بھریں

"نہیں ۔۔ نہیں ۔۔ ہرگز نہیں ۔۔ میری ایسی عادت ہی نہیں ۔ جو لگائی بجھائی کرتی پھروں"

بھابی نے البم واپس کرتے ہوئے میرے چہرے پر عشق کے آثار دیکھے۔ شاید میں صفیہ کی محبت میں دیوانہ ہو چلا تھا۔ ابھی تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی ایسا معلوم ہوا کہ ہم دلی سے بول رہے ہیں۔ ۔۔ جی ہاں یہ دلی ہے ۔ ۔ میں برابر کمرے میں بھابی کا پروگرام شروع ہو چکا تھا۔ بیگم ساون بھادوں کی طرح ٹھنڈی سانسیں بھر رہی تھیں۔ بھابی میری محبت کی المناک کہانی بیان کر رہی تھیں اور بیگم کے آنسو بھی پونچھ رہی تھیں۔ صحن میں جو پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ سارا گھر انہیں چھپ چھپ کر دیکھ رہا ہے ۔ بھابی نے مجھے بھی دیکھ لیا تھا جیسے کسی دن بیگم دیکھی گئی تھیں ۔ بھابی باورچی خانہ میں بدنصیبن سے کھانا دوسری کے ذریعہ بھجوا دینے میں منہمک تھیں ۔۔

"بیبی ۔۔ تمہیں بتاؤں ۔ ے میری بوتی ایک غرض جو زمانے بھر سے کہتی پھروں کہ ان کو صفیہ ۔۔ جلی ہوئی صفیہ سے محبت ہے ۔ مجھ سے کہہ بیٹھے تھے کہ کسی سے کہئے گا نہیں ۔۔ تو میں کیوں کہنے لگی ۔ ہاں جو کچھ بے چاری دلہن کے نصیب میں لکھا ہے ہوگا ۔۔ اور جو کر رہے گا"

بدنصیبن جیسا صابر و شاکر آدمی بھی ۔ بھابی کے توکل کی داد دیئے بغیر نہ رہ

"جی ہاں ۔ بیگم صاحبہ ۔ اللہ جو کرے گا ہو گا ہی ۔ مگر چھوٹی بیگم کی قسمت" شاید فرطِ قلق سے وہ بھی زیادہ نہ کہہ سکیں ۔

اب جو آگے قدم اٹھاتا ہوں تو امی جان نظر آئیں چھالیہ کتر رہی تھیں۔ سروتہ ہاتھ کا ہاتھ میں رہ گیا وہ دُہائی مچائی کہ توبہ ہی بھلی۔ بھابی تو اسی تاک ہی میں تھیں فوراً موقع واردات پر پہونچ گئیں۔ اور ناصح مشفق بن کر اچھی طرح امی جان کے غصہ کو مشتعل کر دیا۔ چارہ ہی کیا تھا سر لٹکائے ہوئے میں باہر چلا گیا۔

چند دوستوں کے ساتھ آج کھانے اور پکچر کا پروگرام تھا۔ پکچر سے واپسی پر صاحب خانہ سے کھانے کی معذرت کر کے جو گھر پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں بیگم کے کمرہ میں مل بیٹھے جمع ہے، امی جان، بھابی، بیگم، اور بھائی صاحب! جان ہی تو نکل گئی۔ واقعی معاملہ خطرناک سے خطرناک صورت اختیار کر چکا تھا۔ یعنی ان واقعات کی پوری اطلاع بھائی صاحب کو ہو چکی تھی۔ اور بیچاری بیگم کا کمرہ بھی ان کو دکھایا جا چکا تھا۔ سارے گھر میں تلاطم بپا تھا۔ بھابی نے اچھا خاصہ بات کا بتنگڑ بنا دیا تھا۔ اور نہایت انہماک و خلوص کے ساتھ سعی بلیغ فرما رہی تھیں کہ میں ڈانٹا جاؤں انہوں نے گھر بھر کو یقین دلا دیا تھا کہ میں صفیہ کی محبت میں دیوانہ ہو رہا ہوں۔ اگر فوری کارروائی نہ کی گئی تو معاملہ "تیر از کمان رفتہ" ہو جائے گا۔ اور میں یا تو صفیہ سے نکاح کر لوں گا۔ یا پاگل ہو جاؤں گا۔ شادی کر لینے کے دوسرے معنی یہ ہوئے کہ اس اللہ بندی کو یقیناً زندہ درگور ہونا پڑے گا۔ جس کو کچھ کم سوا لاکھ سکہ رائج الوقت کے بدلے میں میں نے اپنے نکاح میں قبول کیا ہے۔ کپڑے بدل کر جب میں عدالت عالیہ کے سامنے پیش ہوا تو بھائی صاحب نے۔ وہ تصویر میرے سامنے رکھدی۔

"یہ کس کی تصویر ہے۔"

اب واقعی معاملہ زیادہ اُلجھ گیا تھا۔ بات بگڑ جانے کا اندیشہ تھا میں نے عرض کیا۔

بھابی ہی سے پوچھ لیجئے ۔

بیچاری بھابی تو ایسے فی سبیل اللہ کاموں کی منتظر ہی رہتی تھیں ۔ چنانچہ انہوں نے پوری داستانِ محبت دُہرا دی ۔ اور ساتھ ہی ساتھ عورتوں کے ۔ بین الاقوامی حقوق کی جو ذمہ داری ان پر عاید ہوتی تھی ۔ اس کی بھی ترجمانی کرتے ہوئے بیگم کا کھو دود بھی بیان کر دیا

ابھی ۔ الف لیلہ ۔ کا آخری باب بھی ختم نہ ہوا تھا کہ ہر چہار طرف سے وجد شروع ہو گیا ۔ سب سے پہلے تو اتی جان نے چاچا کیا ۔ خطاب سعادت ختم فرمایا ۔ چچا جان صاحب نے مولوی نذیر احمد صاحب کی ۔ الحقوق و الفرائض ۔ سنا دی ۔

میں تھک کر ساکت و صامت کھڑا ہو سب کچھ سن رہا تھا ۔ بھابی اس طرح خاموش کھڑی تھیں جیسے ان واقعات سے ان کو کچھ واسطہ ہی نہیں ۔

ماتم ۔ کے بیت کی باری تھی ۔ بھائی صاحب مجھ سے خفا ہو رہے تھے کہ میں کیا کہنا چاہتا ہوں ۔ ظاہر ہے کہ میرے پاس جواب ہی کیا تھا ۔ میں نے جیب سے ایک خط پیش کرتے ہوئے عرض کیا ۔

بات صرف اتنی تھی ۔ بھابی کو غلط فہمی ہوئی سہیل کی ۔ تصویر پچھلے سال کالج کے ڈرامہ کی ہے جو اس نے مجھ سے منگوائی تھی ۔ بھابی سر ہو گئیں تو پھر میں کیا کرتا ۔

بھائی صاحب نے پہلے خط کا بہت چپکے سے پڑھا تھا ۔

پیارے جمشید !

پچھلے سال کالج میں جو ڈرامہ ہوا تھا اس میں میں نے سعیدہ فہیم پارٹ (ر...) ادا کیا تھا ہیروئن کی حیثیت سے میرا پارٹ بہت کامیاب رہا تھا جس کی ایک تصویر میں نے تم کو بھیجی تھی ۔ میرے پاس اس

کی کوئی کاپی نہیں ہے اگر تمہارے پاس ہو تو بھیجو۔ اس کی دوسری کاپی کروا کے واپس کر دوں گا۔

تمہارا سہیل (صفیہ)

بھائی صاحب نے خط پڑھ کر تصویر اور خط میری طرف بڑھا دیا۔

- یہ آج کل کے لڑکے میں کہتی ہوں کتنے شریر ہوتے ہیں۔ امّی جان ہاتھ پیچھے دبائے ہوئے کمرے سے باہر نکل گئیں۔ بھابی سوالیہ نشان بنی ہوئی رہ گئیں ہنسی ہنس رہی تھیں اور میں بیگم کو منانے میں مصروف تھا۔



بھلے آدمی

چبوترے پر ——— فتحپوری ——— چاندنی چوک!

جس طرح کسی ووٹر کو دیکھکر امیدواروں کے ورکرز دوٹ چھین لینے کے لئے دوڑتے ہیں ——— بالکل اسی طرح تانگے کے اڈوں پر سواریوں کو دیکھ کر ہلچل مچ جاتی ہے ——— ہر تانگے والا یہی چاہتا ہے کہ جلدی سے جلدی سواری بٹھا کر اپنا تانگہ بڑھا دے۔

برقعہ پوش عورت دھیرے دھیرے تانگوں کے اڈے پر پہونچ چکی تھی ——— تانگے والوں نے گھوڑوں کی راسیں تاننا شروع کر دیں ———!

"آیئے ——— میں جا رہا ہوں"

"ادھر آیئے کہاں جانا ہے ——— آپ کو"

"بیگم صاحب ——— فرسٹ کلاس ہے تانگہ"

"اس تانگے پر ——— ادھر کہاں جا رہی ہیں ——— آپ"

مجید کے دماغ پر ایک زور سے گھونسہ لگا جیسے ——— تاڑی کے نشے میں چور آنکھیں چمکنے لگیں ——— یہ کل کا لونڈا سلامت ——— میری سواری کو ہتھیا لے ——— جانتا نہیں کہ استاد مجید سے دشمنی مول لینا عقل داروں کا کام نہیں ———

تاڑی کے نشہ میں وہ بدمست ہو رہا تھا ـــــ للکارا !

"وہ جا بے لونڈے ـــــ ہوش کی باتیں کر ـــــ جانتا نہیں ــــــ میں

ہوں استاد مجیدا "

"ہاں ہاں جانتا ہوں ـــــ سلامت نے بے پروائی سے جواب دیا ـــ

تو استاد ہو گا جس کا ہو گا ـــــ میرا کیا لگاڑے گا "

"میں کہتا ہوں ـــــ مجیدا بولا ـــــ سلامت کے بچے ! تو میری

سواری کو کیوں ادر غلا رہا ہے "

" ابے مجیدا کے بچے ـــــ سلامت نے ترکی بہ ترکی جواب دیا ۔ آج کچھ

زیادہ تو نہیں پی گیا ـــ جو آتار نا پڑے گے "

" زبان نہیں رکتی تیری ـــــ بتا دوں آکر تجھے ـــــ مجیدا نے آستینیں

چڑھالیں ـــــ !

" ابے چل ـــــ اپنا کام کر ـــــ سلامت کہنے لگا ۔ بنا پھرتا ہے

استاد کی دم ـــــ بیگم صاحب آجاؤ کہاں جانا ہے ـــــ !

نہیں سنتا حر ... ... ! ...... ! مجیدا اڑھا ۔ آتا ہوں ۔

قریب تھا کہ سلامت بھی اپنے تانگے سے نیچے اتر آئے ۔ اور موٹی موٹی

گالیاں جیالوں کی بوچھاڑ میں کھو جائیں " برقعہ پوش " عورت لپک کر سلامت

کے تانگے پر پہنچ گئی ـــــ وہ مظلوم تھا ـــــ ساری خطا مجیدا ہی کی تھی ـــــ برقعہ

پوش عورت نے یہی سمجھا شاید !

چل بیٹا ! سلامت نے راسیں تان دیں ـــــ کہاں جائیں گی آپ ؟

جائیں گی کہاں —— شکست خوردہ مجیدا نے اپنے انتقام کی پیاس بجھانے کیلئے ... لقمہ دیا —— وہیں گوروں کے پاس اور کہاں! اپنے یاروں میں —— !

تانگہ بڑھ چکا تھا برقعہ پوش عورت جھینپے ہوئے لہجہ میں بولی۔" نئی دہلی سے پہلے "

سلامت نے آہستہ سے چابک مار کر گھوڑے کی رفتار اور تیز کر دی ——

مجیدا کھسیائی ہوئی ہنسی ہنس رہا تھا کھڑا۔ گالیاں بک رہا تھا تاڑی کے نشے میں بدمست —— یکایک تانگے پر بیٹھتے ہوئے کسی نے کہا۔

" نئی دلّی "

اس نے مڑ کر دیکھا —— زنانی سواری تھی۔ بالکل تنہا! اس کے دماغ پر اب بھی سلامت ہی کا خیال مسلط تھا۔ گھوڑے کی باگ موڑتے ہی وہ نئی دلّی جانیوالی سڑک پر آ چکا تھا۔

تانگے کے پہیوں کی طرح سے اس کا دماغ بھی چکر کھا رہا تھا —— یہ کل کا چھوکرا —— حرامی۔ کمینہ۔ جانتا نہیں کہ وستاد مجید لجوالا زنک سے نہیں ڈرتا —— آج تک تو کسی سے دبا نہیں میں —— پولیس والے —— کومٹی " (کمیٹی) والے بھی جانتے ہیں کہ وستاد مجیدا کھون پانی ایک کر دینے والا آدمی ہے —— اور —— اور —— او.....!

لاری ڈرائیور نے پیچھے سے ہارن دیا —— مجیدا جیسے چونک پڑا —— داہنی طرف تانگہ کو موڑتے ہوئے اس نے ایک اچھلتی نظر پیچھے بیٹھی ہوئی زنانی سواری پر ڈالی۔ جس کے برقعہ کا نقاب ہوا میں لہرا رہا تھا۔

بیگم صاحب! وہ کہنے لگا۔ یہ لاری والے بھی بڑے پاجی ہوتے ہیں

— وسدن ایک ٹانگے سے لاری لڑا دی ایک نے۔ سواریاں تو بچ گئیں — پر — پر۔ تانگے کے پرانچے اڑ گئے — جیسے یہ سڑکیں ان کے باپ کی خریدی ہیں — اور ہم لوگ جو ہر سال کمیٹی کو ٹیکس دیتے ہیں — بیس روپیہ سال — اور پھر — پولیس اور کمیٹی والوں کی بیگار الگ — پر غریبوں کی کون سنتا ہے بڑے آدمیوں کا راج ہے آج کل۔

سرکار — مہنگائی کا یہ حال ہے — کہ تانگے کی ربڑ جو دو روپیہ فٹ ملتی تھی پہلے، اب چھ روپیہ فٹ بکتی ہے — دانہ پہلے تو روپیہ بیس آنے میں آتا تھا — سرکار! اب — اب — یہ جان لیجئے کہ پورے پانچ روپیہ روز میں گھوڑی کا پیٹ نہیں بھرتا — کوئی بال بچوں کو کیا کھلائے۔

"برقعہ پوش" عورت خاموش بیٹھی ہوئی دوسری طرف دیکھ رہی تھی۔ جیسے تانگے والے کی باتوں میں کوئی مزا ہی نہ تھا۔

مجید اتیز تانگہ ہانکتا ہوا بکتا چلا جا رہا تھا — سڑک پر غیر معمولی بھیڑ تھی — سینما کا مٹنی شو آج ذرا کچھ دیر سے ختم ہوا تھا — شائد لڑائی کی ریل کچھ لمبی تھی۔ سیکڑوں آدمی آنکھیں ملتے ہوئے ایک دوسرے سے ٹکرائے جا رہے تھے۔ مجید اچلا رہا تھا۔

ہٹو — بچو!

بابو جی — بابو جی!

سردار جی — بابو جی!

اور پکچر ہاؤس سے نکلتے ہوئے تماشائی — پردۂ فلم پر ناچتی ہوئی تصویروں کی طرح ناچ رہے تھے، تصورات کی دنیا میں — تخیلات کی دنیا میں — ہر شخص

دیکھی ہوئی تصویر پر طبع آزمائی کر رہا تھا اور بعض منچلے ہلکے ہلکے سروں میں گنگنے ہوئے گانوں کی دھنیں اپنے گلے میں اتار رہے تھے۔

"اچھا جی ـــ اچھا جی ـــ ہماری گلی آنا ـــ اچھا جی ـ"

"ہماری گلی آنا ـــ اچھا جی ـ"

"ہمیں نہ بھلانا ـــ اچھا جی ـــ اچھا جی!"

"شہر کی لونڈیا ـــ شہر کی لونڈیا"

"اچھا جی ـــ ہماری گلی آنا!"

"ہمیں نہ بھلانا ـــ اچھا جی ـــ اچھا جی"

تانگہ بھیڑ کو چیرتا ہوا چلا جا رہا تھا ـــ جیسے کوئی تیراک ندی کی موجوں میں دونوں ہاتھوں سے راستہ کر رہا ہو۔ پکچر ہاؤس کے لمبے چوڑے سائن بورڈ مسکرا رہے تھے۔ فلمی پریوں کی خاموش تصویریں مسکرا رہی تھیں اور تانگہ آہستہ آہستہ چلا جا رہا تھا ـــ

ہٹو ـــ بچو ـــ مجیدا نے کہنا شروع کر دیا۔

میں اگر بائیسکوپ نہ دیکھوں ـــ تو نیند ہی نہیں آتی ـــ چوتی روز کی بندھی (ہچکی) ہوئی ہے! پیسہ ـــ پہ (ہچکی)، اب تو کوئی اچھا تماشہ آتا ہی نہیں (ہچکی) ـــ ایکدن ـــ ایک دن ـــ چھوہارے پر (ہچکی) میں نے دیکھا تھا ایک تماشہ (ہچکی)، بس آپ سے کیا کہوں! میری چوتی (ہچکی)، تو جدھی (جبھی) دھول ہو گئی (ہچکی)، جب وس نے وس لونڈیا کو چٹاخ (ہچکی) پٹاخ کیا۔

مجیدا نے پیچھے سے مڑ کر سواری پر نظر ڈالی جس کے برقعہ کا نقاب ہوا میں لہرا رہا تھا۔

کناٹ پلیس سے نکلتے ہوئے اس نے دیکھا ــــ ہو یکھا کر سلامت کا تانگہ کوئی آدھ فرلانگ پر جا رہا ہے۔ اے۔ آر۔ پی کے شیڈز کے نیچے بجلی کے بلب نگاہیں جھکائے ہوئے جھانک رہے تھے۔ ہلکی ہلکی مدھم سی روشنی چاند کی سفید روشنی میں کھو سی گئی تھی ــــ سلامت کا تانگہ "فرد ٹ" چلا جا رہا تھا موٹروں کی زد سے بچتا بچاتا ــــ تانگے کے پیچھے بیٹھی ہوئی برقعہ پوش عورت نے اپنے چہرہ کا نقاب الٹ دیا تھا۔ واقعی کتنا جھنجھٹ ہیں یہ آج کل کی نقابیں بھی ــــ ساری دنیا نقاب کے جال میں چکراتی دکھائی دیتی ہے ــــ نقاب کی مہین جالی گھنی پلکوں میں الجھ جاتی ہے اکثر ــــ اور جو نقاب ہوا میں اڑنے لگے تو پھر ــــ بالکل بیکار!۔

سلامت ــــ ٹخ۔ ٹخ۔ ٹخ کر رہا تھا۔ مجیدا کے کانوں میں یہ صدا پہنچی ــــ اس کا گھوڑا "دُلکی" جا رہا تھا ــــ ایک چابک مار کر اس نے راسیں تان دیں ــــ بے زبان گھوڑے کی رفتار تیز ہو گئی ــــ مجیدا تن کر بیٹھ گیا۔

"بھیّا" کوے جا رہا ہے سالا! قرم کہیں کا ــــ کمائی کھاتا ہے ــــ کمائی ــــ بھیّا کی کمائی!

مجیدا کی آواز ہوا میں بھرا رہی تھی ــــ اور چاند کی ہلکی ہلکی شعاعیں اس کی آنکھوں میں گھسی جا رہی تھیں۔ اس نے تانگے کے پہیوں میں چابک لگا دیا۔ آواز آنے لگی!

ترر۔ ترر۔ ترر۔ ٹرا۔ را۔ را۔ ٹرا!

پیچھے بیٹھی ہوئی برقعہ پوش عورت نے جھک کر پہیوں کی طرف دیکھا ــــ اور باقاعدہ نقاب الٹ دیا۔

سلامت کا تانگہ قریب آچکا تھا ــــ مجیدا نے آنکھیں پھاڑ کر سلامت کے تانگے پر بیٹھی ہوئی عورت کی طرف اس طرح دیکھا جیسے کبھی اس نے عورت کو دیکھا ہی نہیں ہے۔

اچانک اس کی نظر سلامت پر جا پڑی ــــ اور تاڑی کا نشہ پھر عود کر آیا ــ!

چل بیٹا ــ گھوڑے کو اس نے ڈانٹ بتائی۔

سلامت اپنے تانگے پر گنگنا رہا تھا ــ!

"مہنگی کا زمانہ ہے!"

"اے دل کہاں لیجاؤں ــــ مہنگی کا زمانہ ہے!"

"ہاں ــ ہاں ــ مہنگی کا زمانہ ہے!"

مجیدا کی آنکھوں میں پھر چمک پیدا ہو گئی۔

"ابے قلطبان بھینا ــــ کوسے لئے جا رہا ہے ــــ گوروں میں حد کمائی کھاتا ہے ــ!"

اب سلامت نے بھی مڑ کر دیکھا ــــ مجیدا ایک رہا تھا اول فول۔ اس نے ترچھی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

"استاد ــــ مانو گے نہیں ــــ اتار دوں گا ــــ تاڑی کا نشہ ابھی ــــ"

"اور یہ کیا ــــ تو اپنی ماں کو سے لئے جا رہا ہے گوروں میں"

ہوا کی سنسناہٹ میں سلامت کی آواز کھو گئی شاید ــــ مجیدا پوری بات نہ سمجھ سکا۔ کہنے لگا۔

ہاں ــــ ہاں! بھلے آدمی یہی کرتے ہیں ــــ نا! جو تو کر رہا ہے ــــ

کہانی — قرمتی!

سلامت کا تانگہ تیزی کیساتھ بڑھتا چلا جارہا تھا۔ کیونکہ مجیدا کے تانگے کی رفتار تیز ہو گئی تھی۔ اور وہ شائد داہنی طرف سے کتا کر اپنا تانگہ آگے نکال لینا چاہتا تھا — کتنی ہتک تھی اس میں سلامت کی — اور اس کے سبزے کی — جس کو اس نے ابھی حال ہی میں بارہ سو کا خریدا تھا — سب ملا کر دو ہزار سے زیادہ خرچ ہوئے تھے۔ پھر یہ کیسے ممکن تھا کہ مجیدا اپنا تانگہ بڑھا کر نکال لیتا۔

دونوں تانگے تیزی سے بڑھتے جارہے تھے — چاروں طرف سناٹا تھا — البتہ کبھی کبھی کوئی موٹر تیزی سے ہارن بجاتی ہوئی نکل جاتی — یا کوئی آدمی سائیکل پر —!

بڑی سڑک سے نکل کر سلامت نے اپنا تانگہ ایک سنسان سڑک کی طرف موڑ دیا — مجیدا کا تانگہ بھی پیچھے پیچھے چلا جارہا تھا۔ تانگے پر بیٹھی ہوئی سواریاں بالکل مطمئن تھیں کہ ٹھیک راستے پر جارہی ہیں — مجیدا کا نشہ اب کچھ کچھ اتر چلا تھا اور وہ دھیمے دھیمے سُروں میں گنگنانے لگا تھا۔

آنے بھی وہ — گئے بھی وہ — ختم فسانہ ہو گیا۔

آئے بھی وہ — آئے بھی وہ ......!

سڑک کے دونوں طرف میدان تھے — شائد یہ ویرانے پارکوں کی شکل میں بدل دئے گئے تھے۔ گھنی جھاڑیوں کے نیچے ہرے ہرے لان پر چاند کی شعاعیں پتوں سے چھن چھن کر آرہی تھیں۔

دونوں گھوڑے دوڑتے دوڑتے تھک گئے تھے۔ اس لئے ان کی رفتار

میں خود بخود کچھ آہستگی پیدا ہو گئی تھی۔

سلامت کے تانگے پر بیٹھی ہوئی برقعہ پوش عورت نے آہستہ سے کہا، "رک جاؤ ۔۔۔"

سلامت نے کنارے کی طرف تانگہ روک دیا ۔۔۔ اس نے آہستہ آہستہ سلامت سے کچھ اور کہا ۔ جانے کیا ۔ پارک کے اندر اندر وہ کنارے کنارے چلنے لگی ۔

مجید کا تانگہ بھی وہیں قریب ہی آکر ٹھہر گیا ۔

یہیں ٹھہرو ۔۔۔ آتی ہوں ابھی ۔۔۔ اس نے اپنا برقعہ اتار کر تانگے پر رکھ دیا اور اسی پارک میں چلی گئی ۔

مجید نے دیکھا ۔۔۔ پارک میں چاندنی چھٹکی ہوئی تھی ۔۔۔ قدآدم جھاڑیوں پر گلابی نیلے اور کاسنی پھول چاندنی میں ستاروں کی طرح جگمگا رہے تھے ۔ جن کے پاس ہی پڑی ہوئی لوہے کی بنچوں پر قہقہے کھیل رہے تھے ۔ سنہرے قہقہے ۔ کچھ پھیکے سے ۔۔۔!

سلامت نے جیب سے بیڑی کا بنڈل اور ماچس نکال کر ۔۔۔ ایک بیڑی سلگائی مجید اب تک پارک ہی کی طرف دیکھ رہا تھا ۔۔۔ ماچس کی روشنی نے یکایک متوجہ کر لیا ۔۔۔ اس نے مڑ کر سلامت کی طرف دیکھا آج تاڑی کے نشہ میں وہ بیڑی کا بنڈل بھی بھول گیا تھا ۔۔۔ سلامت کے منہ سے دھوئیں کے فوارے چھوٹ رہے تھے ۔

خود بخود مجید کو جماہیاں آنے لگیں ۔

"لانا ۔۔۔ ایک بیڑی ادھر کو ۔۔۔" مجید بولا ۔

سلامت نے بیڑی اور ماچس نکال کر بڑھا دی مجیدا کی طرف ۔ اور منہ پھیر کر دوسری طرف دھواں اڑانے لگا ۔ مجیدا نے بیڑی سلگا کر ماچس واپس کرتے ہوئے کہا ۔۔۔۔۔!

آج تو میں بالکل " ڈوُن " ہو گیا تھا ۔۔۔۔ بہت پی لی تھی! کوئی چار گھڑیاں! جانے کتنی دیر لگے گی۔ میں تو گیارہ بجے کھول دیتا ہوں ۔۔۔۔ پر مزدوری اچھی ملتی ہے ان سے۔

سلامت نے کوئی جواب نہیں دیا۔

مجیدا کہنے لگا۔

ہم کو کیا ۔۔۔۔ کوئی کچھ کرے ۔۔۔۔ یہاں اپنی مزدوری سے غرض ۔ سلامت نے اب بھی کوئی جواب نہ دیا ۔۔۔۔ مجیدا اپنے تانگے کی اگلی سیٹ پر آ کر لیٹ رہا۔

سلامت نے پہلی بیڑی ختم کر کے دوسری بیڑی جلائی اور وہ بھی اپنے تانگے پر چلا گیا۔

کئی منٹ تک موت کی ایسی خاموشی چھائی رہی ۔۔۔۔ شاید مجیدا کی آنکھ لگ گئی تھی ۔ یکایک چونک کر بولا۔

کیا بجا ہو گا سلامت ؟

سلامت کو جاگ رہا تھا مگر کچھ نہ بولا۔

سلامت! مجیدا نے پھر پکارا ۔۔۔۔ کیا سو گیا ؟

کیا بکواس لگائی ہے ۔۔۔۔ سلامت نے جھنجھلا کر کہا ۔ چپکے کیوں نہیں رہتے!

آدمی ہے یا جانور ۔۔۔۔ مجیدا بولا ۔۔۔۔ بات کا جواب کیوں نہیں دیتا۔

تیری بات کا کیا جواب دوں! — سلامت نے کہا۔ تو وسنشہ ین
ڈوڈن، ہے۔

پی تو گیا تھا زیادہ — مجیدا نے جواب دیا — پر اب نشہ نہیں۔

وستاد — سلامت کہنے لگا۔ آج تم نے گالیاں دی ہیں۔ یاد رکھنا
— وستاد!

"کون — میں نے! مجیدا بولا — تم کو گالیاں دیں میں نے! کون
کہتا ہے! جھوٹ شاید نشے میں ایک آدھ بات نکل گئی ہو منہ سے — جانے بھی
دے! بھلے آدمی برا نہیں مانتے ایسی باتوں کو — ہاں یہ تو بتا مزدوری کیا
طے ہوئی!

"میں نے تو کچھ طے وَے نہیں کیا — سلامت نے کہا۔ پر پیسے
اچھے ہی ملیں گے!

اچھا بڑی پلا ایک! مجیدا نے گفتگو کا رخ بدلتے ہوئے کہا — یہ
خانگیاں تو چاوڑی کی رنڈیوں سے بھی بڑھ کر ہیں۔ سچ پوچھو تو —!

ہو گا — سلامت بولا! ہمیں تو اپنے پیسوں سے کام...........!

چاند کی دھیمی دھیمی روشنی تانگوں کے اندر جھانک رہی تھی — اور سامنے
پارک کی لان پر ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے جھاڑیوں کی چھاؤں میں سائے پریڈ کر رہے
ہیں —!

لفٹ۔ رائٹ۔ لفٹ — رائٹ۔ لفٹ — رائٹ — کوئیک
مارچ —!

کچھ ہلکی ہلکی سی آوازیں اور قہقہے! فضا میں گونجتے معلوم ہو رہے تھے۔
دھیرے دھیرے دو سائے پارک کے اس سرے پر آتے ہوئے دکھائی دینے لگے۔ لڑکھڑاتے ہوئے پاؤں گھاس پر تیر رہے تھے۔ نگاہوں میں ایک بے حجابانہ چمک۔

دونوں تانگوں کے قریب آچکی تھیں —— ملگجی ساریاں برقعوں میں چھپائی جا رہی تھیں —— الجھے ہوئے بال ہوا میں لہرا رہے تھے —— اور سلامت ہلکے ہلکے سُروں میں گا رہا تھا۔

ہنگی کا زمانہ ہے —— اے دل کہاں لیجاؤں!
اے دل کہاں لیجاؤں ہنگی کا زمانہ ہے ——!

ٹھوکے

"لڑکیوں نے اب دفعان ہو چکو ___ یہاں سے ؟

سچ مچ ہم لوگوں کے کان پھوٹنے لگے ___ اماں بی کہہ رہی تھیں خالہ بی کمرے میں چوکے پر بچھی ہوئی چاندنی بدلکر موٹے موٹے گاؤتکیوں کے غلاف درست کر رہی تھیں۔ اور ہوتا بھی یہی تھا کہ جس دن کوئی مہمان آنیوالا ہوتا سارے گھر کی "ری اوورہالنگ" کرنا پڑتی۔ چوکا کبھی کمرے سے دالان میں کبھی دالان سے کمرے میں لایا جاتا سنگھار میز آئینہ کے کمرے سے صحنچی میں اور کبھی تبدیلیٔ آب و ہوا کے لئے صحن میں۔ پلنگ کبھی اتر سے دکھن اور پورب سے پچھم بچھائے جاتے۔ اور کبھی اپنی اصلی جگہ پر لاکر اس طرح دیکھے جاتے جیسے ان کی پہلی روش میں زیبائش کی زیادہ جاذبیت اور کشش تھی۔ پاندان اگالدان، ہاتھ دھونے کی سلفچی، گھڑوں کے بجھرے، شیشوں کے جاپانی گلاس، بیود اور چلمیں، کرسیوں کے گدے سب کے سب "انقلاب زندہ باد" پکارنے لگتے البتہ ہم لوگوں کی کتابیں اور لکھنے پڑھنے کا سامان رحل کلام پاک سمیت ہم لوگوں کی تعلیم کے پروپیگنڈے کے لئے بالکل اسی طرح برآمدے میں سج دیا جاتا جیسے دکاندار اپنی کال کا بیش قیمت سامان دکھاوے کے لئے شوروم میں سجا دیتے ہیں ___ اور ___ اور یہ سب کام مجھے آپا اور بچاری بجو ہی کو کرنا پڑتے۔ پھر خالہ جی کے کمرے ___ مرہی

نہیں جھکتیں ـــ موا یہ گھر ہے کہ میونسپلٹی کا کوڑے سے تھا ـــ میری جوتی سے ـــ
اے لو! ـــ جیسے موا میرا ہی پیام آنیوالا ہے ـــ میں تو کہتی ہوں اس
چودھویں صدی کی لڑکیاں ـــ اے نوج ہم ایسے ہوتے اے ہے بیوی اس
زمانے کی لڑکیاں۔ توبہ توبہ دیدوں کا پانی ڈھل گیا ہے ان کی۔ خدا کی پناہ برابر
دیدہ سے دیدہ لڑائے رہتی ہیں ـــ اللہ کی مار مُردیوں کی صورتوں پر۔
پڑی رہو گی جلم بھر یونہی ـــ کوئی پوچھے گا بھی نہیں"

اماں بی کاہے کو خاموش رہتیں آخر تھیں تو بہن ہی خالہ بی کی کہنے لگیں۔
"بہن! میں نے تو ایسی لڑکیاں دیکھی ہی نہیں ان کا بوچہ سب سے اونچا۔ نگوڑیاں
آج کل والی۔ توبہ الٰہی اگر ہم لوگوں کے یہی رنگ ڈھنگ ہوتے تو اماں جان زندہ
ہی دفن کر دیتیں۔ مگر اب دیکھتی ہوں نہ بڑوں کا ادب نہ چھوٹوں کا لحاظ۔ شرم و
حیا چھو تک نہیں گئی۔ کن ڈھنگ ایسے کہ آفت بیٹیوں کو کوئی پاس بھی نہ کھڑا ہونے
دے اور پھر یہی تو ہے کہ ہم لوگ جھینکتے ہیں اور کمبختوں کا ٹھکانا نہیں لگتا۔ زندگی اجیرن
ہے ـــ الٰہی توبہ ـــ بار الہا ایسی زندگی سے موت دیدے۔

گویا اس میں ہمیں سب کا قصور تھا کہ ہم لوگوں کے بیاہ نہیں ہوتے۔ پیام آتے
ہیں تو طے نہیں ہوتا لڑکے والے دان جہیز مانگتے ہیں۔ میٹرک اور بی۔ اے کے سرٹیفکیٹ
دیکھنا چاہتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ بڑی لڑکی شکل و صورت کی تو اچھی ہے مگر ذرا عمر
زیادہ ہے۔ ہاں منجھلی کا ذرا قد چھوٹا ہوتا تو ـــ اور چھوٹی ذرا مطلب یہ کہ کالی ہے
ذرا سانولی۔ اماں بی اور خالہ بی طرح طرح کی "کنونسنگ" (Convincing) کرتیں
رضو کی عمر ہی کیا ہے ابھی۔ بیوی سچ پوچھو تو ابھی میرا ارادہ ہی نہیں ہے کرنے کا۔

—لیکن "وہ" اپنی بیماریوں کی وجہ سے بہت گھبراتے ہیں۔ ویسے پیام تو بہت آئے اور آج بھی آتے ہیں مگر کچھ حسب و نسب کا جھگڑا پڑ جاتا ہے — بہن میں تو کہتی ہوں لڑکا اچھا ہے غریب ہی کیوں نہ ہو مگر خاندانی ہو —"

"ہاں صاحب!" خالہ بی تائید مزید فرمائیں۔ "ہم کو تو اور کچھ نہیں چاہیئے بس خاندان اچھا ہو۔ کھاتا پیتا —"

"جی ہاں۔ مڈل تو چھوٹی بھی پاس کر چکی ہے۔"

منجھلی کے لئے — تو اچھے بھائی بہت زور دے رہے ہیں اپنے جاوید کیلئے۔ اللہ رکھے اسی سال تو اس نے وکالت پاس کی ہے"

"تا بیوی! چھوٹی تو ابھی بہت کم سن ہے اور پڑھ بھی رہی ہے۔ اس کے علاوہ وہ تو ٹھیکرے کی منگی ہے اپنے ماموں کے گھر۔ لڑکا ڈپٹی کلکٹری کا امتحان دینے والا ہے"

"کئی برس سے کانپور کے محسن علی صاحب رضوؔ کیلئے کہہ رہے ہیں۔ ان کا ایک ہی لڑکا ہے اور جائداد بہت کچھ ہے۔ گاؤں گراؤں، کوٹھیاں مکانات سبھی کچھ مگر دولہا بھائی راضی نہیں، لڑکا فوج میں نوکر ہے شاید کپتان ہے۔

اے ہے بیوی! چائے میں کونسا ہرج۔ آپ تو بڑا تکلف کرتی ہیں۔ یہ تکنے اور سہال تو یونہی رکھے ہیں لیجئے بسم اللہ۔"

"ہمیں معاف کیجئے گا۔ ہمارے یہاں یہ دستور نہیں ہے جب ایسی بات چیت کیلئے جاتے ہیں تو نمک تک نہیں چھوتے۔"

"واہ بھئی واہ! یہ آپ کے یہاں کی نرالی رسم ہے وہ تو آپ ہی کی لڑکی

ہے۔ اب یہ باتیں پرانی ہو چکیں۔

" جی ۔ لڑکی ۔ لڑکی دکھانے میں تو کوئی عذر نہیں ۔۔ وہ تو آپ ہی کی ہے
مگر ہمارے یہاں اسکو عیب سمجھا جاتا ہے۔"

" اے ہے تو اس میں کونسا ہرج ۔ عیب تو جب ہوتا جب میں کسی غیر جگہ
سے آئی ہوتی۔ ہم آپ ایک ہی جگہ کے رہنے سہنے والے ۔ پر میں نے تو اسے جب وہ
چھوٹی سی تھی دیکھا بھی ہے ۔ اب بہت دنوں سے نہیں دیکھا۔۔"

" نا بہن اس معاملہ میں آپ ضد نہ کریں ۔"

" اچھا خیر جانے دیجئے ۔"

بجو نے آپا کے ٹہوکا دیا۔

" جاؤ تمہارا پیام آیا ہے ۔۔"

" بنو ۔ نہیں ۔ میری نہیں ! تمہاری بات چیت ہے ۔ وہ جو ابھی کہہ
رہی تھیں کہ دو تین سال میں دارالعلوم سے پاس کر کے فارغ التحصیل ہو جائیگا "

" فارغ التحصیل " کو آپا نے قرأت سے ادا کرتے ہوئے کہا۔

" اے نوج ۔ بجو بولیں ! میں کاہے کو اس مُوے نکھٹو مولوی سے
بیاہ کرنے لگی ۔ وہ چڑی کا غلام آپ ہی کو مبارک ۔"

آپا جھینپ گئیں ۔ تو شاید شنو کیلئے کہہ رہی ہونگی مولویائن ۔

میرے تن بدن میں چنگاریاں چھوٹنے لگیں ۔

" اے اُوہی ! میرا جوڑ کیوں ملاتی ہو اُس مُوے بن مانس سے ۔ خدا

نہ کرے تم سب کے منہ میں خاک۔ ہوش کی لو۔ چولھے بھاڑ میں جائے موا مولوی
اے نوج میرے دشمن۔ اللہ کی مار ٹارزن کے چہیتے پر۔ واہ آپا واہ۔ یہ تو وہی مثل
ہوئی کہ "دھوبی سے جیت نہ پائیں گدھے کے کان امیٹھیں"

اے اللہ۔ تو میں نے کیا کہدیا۔ جو اتنا بگڑ گیئں؟ آپا دہونس گانٹھنے لگیں
کیا تم جلم بھر یونہی بیٹھی رہو گی۔ بیاہ نہ ہو گا تمھارا۔ پھر اس بیچارے مولوی میں کون
سے کیڑے پڑ گئے۔ عاقبت سنبھل جائیگی عاقبت۔ سیدھی جنت میں جاؤ گی۔
بالکل سیدھی۔

کھی — کھی — کھی — ہی — ہی —

بجو بھوٹ پڑیں۔ کیا اول فول بکتی ہو — فال زبان۔ فال قران نگوڑی
اپنی بلا اوروں کے سر کیوں تھوپ رہی ہو۔

آپا نے ایک موٹی سی چٹکی لیتے ہوئے بجو سے کہا۔

"خیر تو کیا ہوا — میرا ہی سہی — اور تمھارا بھی تو اس دن پیام آچکا ہے۔"

"کہاں سے؟ کون؟" بجو بیقرار ہو گیئں۔

"اے وہی جس کو تم جانتی نہیں، میری ننھی بھولی۔ وہی کچھ کم پچاس برس
والا "کھوسٹ" آپا اسے گلنے لگیں۔

"میں کہتی ہوں آپا تم کو ہو کیا گیا ہے۔ اُس موئے بساطی کو کہہ رہی ہو جو
ابا جان کی فرزندی میں آنے کیلئے بیقرار تھا۔ اللہ نہ کرے جو میں — واہ وا تم نے
تو میرا اچھا ہی لے لیا ہے"

بجو احتجاج کرنے لگیں۔

"شفو سچ کہتا! اباجان کہہ نہیں رہے تھے اسدن اماں بی سے کہ رفو کے علاج کے لئے وہ کئی بار آ چکے ہیں۔ جو یہاں کے ایک بڑے جنرل مرچنٹ ہیں"

آپا نے مجھے ثبوت میں طلب کرلیا۔

"ہاں بجو کہتی تو سچ ہیں آپا۔ عجائب خانہ کا بھالو کئی مرتبہ آچکا ہے۔ میں نے سچ سچ بیان کردیا۔

بجو بگڑ گئیں۔ "اے لو۔ سوپ تو سوپ چھلنی بھی بولی جس میں بہتر چھید۔ میری ننو بھی اسی طرف ہو گئیں پہلے تم اپنی خبر لو۔ تمہارے وہ حکیم جی!" آپا کھلکھلا پڑیں۔

"یہ بھی اچھی رہی۔ رو رہی ہیں اس موئے خولق کو۔ ایسی چاہت بھی کہاں کی بھٹ پڑی تم پر شفو۔ خدا خدا کرو۔ آپا کہنے لگیں۔

"اے میں کیوں اس میت کو روتی رونہ رو تم تو اپنے بیاہ کیلئے بیقرار ہو۔ وہ موا ٹرک کوٹنے کا انجن میرے پلے کیوں پڑنے لگا۔ یا تو تمہارے ساتھ ہوگا یا بجو کے ساتھ۔

بجو نے اپنا سارا بوجھ میرے اوپر ڈال دیا "منٹن کیوں ہوئی جا رہی ہے تیرا بھی ہو جائے گا جلدی ہی کا ہے کی ہے۔

"آفت پٹیو چپتی نہیں" خالہ بی نے کمرے میں آکر ایک دوہتڑ مارا تو میری اور بجو کی کمر ادھر آپا کے ہاتھ پر لگا۔ اور ہم تینوں اوندھے سیدھے ایک دوسرے پر جا پڑے۔

ابھی ہم لوگ چپ چاپ دم سادھے پڑے تھے کہ ہوائی خطرہ دور ہو جانے کی گھنٹی بجی۔

"اے نگوڑ کیوں نہیں چہکتیں اب۔ کیا سب کو سانپ سونگھ گیا؟"

"خالہ رجز خواں تھیں۔ اے نوج بہن خدا نہ کرے کسی کی ایسی اولاد ہو۔ اور

ہو بھی تو پیدا ہوتے ہی مر جائیں "

" اماں بی قطع کلام کرتے ہوئے دخل در معقولات تک پہونچ گئیں "

" اے مجھے تو اس موا دیا ئن کی آتی ہے! آئیں تھیں پیام لیکر جیسے کسی کی لڑکیاں بھار ہو رہی ہیں جو جھونک دیگا اس جہنم میں۔ موئے کفن کھسوٹ کہیں کے --- میری لڑکیاں اور ان کا منہ اللہ تیری شان ---"

" نہیں باجی " خالہ بی بولیں --- " برا ماننے کی بات نہیں جس کے گھر میں بیری ہوتی ہے ڈھیلے آتے ہیں "

ہم تینوں بیریاں کن انکھیوں سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگیں۔ تھوڑی ہی دیر میں ابا جان کھانستے ہوئے داخل ہوئے۔

" کیا طے کیا رضو کی ماں "؟

" اے میں کہتی ہوں تم کو ہو کیا گیا ہے؟ " اماں بی پائنچے جھاڑ کر پیچھے پڑ گئیں --- " بڑھبس لگا ہے تم کو --- تم کو تو یہ لڑکیاں بھار ہو رہی ہیں --- اس موئی مولیائن کو بھیج دیا --- خدا غارت کرے میرا دماغ چاٹ گئی۔ اللہ کی مار --- نوج میں اپنی لڑکیوں کو اس مسجد کے ملا سے بیاہنے لگی "

" میں کہتا ہوں کہ ہوا کیا "؟ ابا جان معاملہ کی تہ تک پہونچنا چاہتے تھے

" ہوتا کیا " اماں بی بولیں --- " میں نے صاف صاف جواب دیدیا۔ کہتی کہ لڑکیوں کو دیکھوں گی --- میں نے کہا --- یہ کبھی نہ ہوگا --

" مگر یہ تم نے ٹھیک نہیں کیا " ابا جان عورتوں کو ناقص العقل ثابت کرنے لگے اب کل ہی بارہ دغانہ سے قمر عالم صاحب کی بیوی آنے والی ہیں۔ وہ تو ضرور دیکھیں

گی لڑکیوں کو۔ لڑکا اچھا خاصہ پڑھا لکھا۔ فیشن ایبل ہے۔ تب کیا ہوگا۔
نا صاحب۔ میں لڑکیوں کو سامنے نہ ہونے دوں گی چاہے لاٹ صاحب
ہی کیوں نہ ہوں۔"

"میں کہتا ہوں رضّو کی ماں" ابّا جان کہنے لگے۔ "تم کو ہو کیا گیا ہے۔
دنیا بدل گئی ہے لیکن یہاں مرغے کی ایک ہی ٹانگ۔ تم وہی پرانی لکیر کی فقیرنی ہو۔
ارے بھئی دنیا کے ساتھ چلو ——— دیکھو زمانہ کدھر جا رہا ہے۔ کوئی دمڑی کی ہانڈی لیتا
ہے وہ بھی ٹھونک بجا کر پھر یہ تو زندگی بھر کا سابقہ ہے۔۔۔ ——— ذرا سوچو تو رضّو کی ماں۔"
اپنے بچّو کے ٹہوکا دیا۔ بچّو نے میرے چٹکی لی۔ اماں بی کچھ اور کہنے والی
ہی تھیں کہ خالہ بی ثالث بالخیر بن کر آ پہونچیں ——

"اے ہے دولہا بھائی ——— ! میں کہتی ہوں تمہیں بڑھاپے میں ہو کیا
گیا ہے۔ تمہاری تو وہی مثل ہوئی۔ بارہ برس دلّی میں رہے بھاڑ جھونکتے رہے۔
کہاں سے لے آئے تھے اس موئی سوکھے کی بیماری کو۔ کیا یہ لڑکیاں ایسی ہی بھدی ہیں
تم پہ۔ اللہ نہ کرے میرے جیتے جی یہ کبھی نہ ہوگا کہ ان کو اس طرح نیگ لگا دیا جائے۔"
یکایک خالہ بی کی نگاہ ہم تینوں پر جا پڑی۔ اور محاذِ جنگ کا رُخ بدل گیا ہے۔
"بے غیرتو بیٹھی سن رہی ہو ——— چلو بھر پانی میں ڈوب نہیں مرتیں ——— لے
لو ایک یہی باقی تھا۔ گویا دادا دمیّا کی زبانی یہ سب کچھ بھی سن لو ——— سو وہ بھی ہو گیا۔
اور میں تم کو کیا کہوں ——— دولہا بھائی ——— بس جیسی وہ ویسے تم۔ خوب ہی پیوند سے
پیوند لگا ہے وہ بھی سٹھیا گئی ہیں اور تمہیں بھی بڑھس لگا ہے۔"
مردیو! ——— دفن نہیں ہو چکتیں۔ چلو دور ہو میری نگاہوں کے

سامنے سے ۔

دیکھتے ہی دیکھتے اماں بی باورچی خانہ کی طرف اور ابّا جان باہری نشست گاہ کی طرف کھسک گئے ۔ ہم لوگ شکست خوردہ فوج کی طرح کمرے میں ۔۔ اور خالہ بی اپنا خطبۂ صدارت مکمل کرتی رہیں ۔!

ایکادشی

راجن پور کے زمیندار گھنشیام سنگھ بڑے خاندانی جاگیردار تھے۔ غدر کے زمانے میں ان کے دادا نے کئی لڑائیوں میں نواب برجیس قدر بہادر کا ساتھ دیا تھا۔ جس کی پاداش میں ان کے بہت سے گاؤں کے گاؤں ضبط ہو گئے تھے اور باغی ہونے کی وجہ سے ان کا نام ہمیشہ ہمیشہ کیلئے بلیک لسٹ میں آ گیا تھا۔

راجن پور والوں کے آٹھ دس گاؤں بڑی مشکل سے بچ سکے تھے جن کا انتظام گھنشیام سنگھ کے باپ رام سنگھ کے نام سے ہوتا تھا۔ جو رام سنگھ کی نیک چلنی، خوش سلیقگی اور جانفشانی کی وجہ سے ان کے سارے کنبہ کے باعزت زندگی کیلئے کافی تھے۔

رام سنگھ جتنا ہی ملنسار، منصف مزاج، سلیقہ شعار آدمی تھا گھنشیام سنگھ اتنا ہی بدمزاج، بدسلیقہ اور بے پروا انسان ثابت ہوا۔ باپ دادا کی جمع کی ہوئی گاڑھی کمائی بڑی بیدردی سے لٹانے کے بعد زمینداری پر بھی قرضہ ہو چکا تھا۔ سات ہل کی سیر گھٹتے گھٹتے چار ہی ہل کی رہ گئی۔ بڑے بڑے سرسبز باغ کٹ گئے باغ تو گاؤں کے دل بہلانے کو دے دیے! پھر بھی گاؤں کے پرانے اور خاندانی چھتری ہونے کی وجہ سے ان کی چوپال میں ہر وقت دس پانچ آدمی جمع رہتے اور ہر ایک آدمی کے لئے چلم جلتی رہتی۔ اکثر

تھا کراونچے لہجے میں غدر کے زمانے کے سُنے سنائے واقعات اور جرمنی کی پُرانی لڑائیوں کے قصے اس طرح بیان کرتے جیسے میدانِ جنگ میں وہ خود موجود تھے! "مہابھارت" کے واقعات کو سچ ثابت کرنے کیلئے اور "ارجن" کے چھوڑے ہوئے "بان" کے وجود پر آج کل کے "بموں" اور ہوائی جہازوں کی مثالیں پیش کر کے ان کی آنکھوں میں چمک پیدا ہو جاتی! اپنی گھنی اور لمبی مونچھوں کو سنوارتے ہوئے وہ کہنے لگتے "اور کیوں نہ ہو وہ اوتار" ہی کے کرتب تھے یہ منتّروں کے کھیل سے!

گاؤں کے یہاں کوئی باقاعدہ پنچایت قائم نہ تھی لیکن ان کی زمینداری کے تمام مقدمے معاملے اسی چوپال میں فیصل ہوتے جنکو نافذ کرانے کیلئے انہیں کئی بار فوجداریاں کرنی پڑیں۔ بہت سے مقدمے لڑنا پڑے! اور آخر کار ان کی ہیبت چاروں طرف قائم ہی ہو کر رہی۔ ان کے اثر و اقتدار سے پاس پڑوس کے سب لوگ دبتے تھے، خصوصاً چھوٹی قوم والے تو ان کے نام سے اس طرح ڈرتے تھے جیسے قصائی سے گائے یا پولیس کے ظالم حملوں سے آبرو دار!

گھنشیام سنگھ تھے پرانے پاپی! لیکن بڑھاپے میں ان کی حرص ہوس اور بھی بڑھ گئی۔ جوانی میں نہ جانے کتنی معصوم اور بیگناہ زندگیوں سے وہ کھیل چکے تھے۔ جس کو تاک لیتے اس کی آبرو بچانا مشکل ہو جاتا! انسان کی سیہ کاریاں ذات پات مذہب و ملت میں کوئی امتیاز نہیں کرتیں! یہی حال ان کا تھا ان کے پاپ کے آگے شودر تو شودر بڑے بڑے چھتری سرنگوں ہو چکے تھے۔

نہ جانے کتنے دکھی دلوں کی پکار آسمان کی بلندیوں سے ٹکرا چکی تھی لیکن

جب تک دعاؤں کے قبول ہونے کا وقت نہیں آتا آہوں کی تاثیر کام نہیں دیتی۔ ا
ٹھاکر کے پاپی جیون کے " آنند دوار " ابھی تک کھلے تھے۔ ان کے گناہوں کی زندگی ایک
بھی ہچکی نہ لے سکی تھی۔ انسان کا ضمیر ہے کہ اپنی برائیوں کو بھلائی ثابت کرنے
کیلئے مثالوں اور لفظوں کے حیلے بہانے ڈھونڈتا رہتا ہے: حیثیت کی گھڑیوں میں آ
اس عمر کی کرنی یاد نہیں آتی۔ وہ کہتا ہے کہ اسے اپنے اگلے جنم کے کئے کی سزا مل رہی
ہے۔ یا آئندہ آنیوالی مصیبتوں کی تخفیف کیلئے یہ مصیبتیں آئی ہیں۔ گھنشیام سنگھ نے
بھی اپنی دلہن کے مرنے پر یہی سوچا! ایک لڑکی چھوڑ کر مرنے والی ہمیشہ ہمیشہ کیلئے
اس کے گھر کو بے چراغ کر گئی۔ لڑکی کا سہارا ہی کیا۔ بیاہا دھن، پنچھی پکھیرو کی طرح
گھڑی دو گھڑی بسیرا کر کے چلی جاتی ہے۔ بھگوان کی ایچھا ہی کہکر من سمجھا
لیتے۔ انہوں نے اپنا دوسرا بیاہ بھی نہیں کیا۔ کبھی بھول کر بھی ان کے دل میں یہ خیال
نہیں آیا کہ جو کچھ ہے میرے ہی جیون کے کرموں کا پھل ہے۔
گھنشیام سنگھ نے اپنے باپ دادا کی نیکیوں میں کوئی حصہ نہیں پایا تھا لیکن
ان کی لڑکی۔ دادا نیز باپ کی پوری طرح درشہ دار بنی ہوئی تھی! سارے گھر میں آنکھیں
کھولکر اس نے باپ ہی باپ دیکھا تھا۔ اپنے پاپی باپ کی سیاہ کاریوں اور بدچلنیوں
کی بہت سی کہانیاں ادھر ادھر ایکھ کے کھیتوں میں چپکے چپکے اس نے اپنی ان سکھی
سہیلیوں کی زبانی سنی تھیں جنکے ساتھ صبح و شام وہ جنگل جایا کرتی تھی۔
دیہات کی لڑکیاں نیم کے درخت کی طرح بڑھتی چلی جاتی ہیں پھر ایسے ماحول
میں وہ رہیں جہاں ہر وقت اور ہر گھڑی سیکڑوں جوانیوں کے بننے بگڑنے کے قصے بیان کئے
جاتے ہوں۔ اگر جوانی گنگا جمنا کے سیلاب کی طرح نہ بہ جانے تو کون تعجب کی بات ہے۔

"رودا" کتنی جلدی نوجوان ہو کر بھرپور جوان ہو گئی۔ گھنشیام سنگھ اسے بالکل محسوس نہ کر سکے! باپ بیٹی دونوں دو غافل اور انجان مسافروں کی طرح چپ چاپ اپنی اپنی راہ چلے جا رہے تھے۔ جن کو ایک دوسرے کے حال کی کوئی خبر نہ تھی۔

گھنشیام سنگھ نے "نوجوان رودا" کے لئے ابھی تک کسی بر کی بھی تلاش نہ کی تھی۔ ان کی نگاہوں میں اٹھارہ بیس سال کی بہار جیسی جوان لڑکی ابھی دودھ پیتی بچی ہی تھی۔۔۔! کبھی کبھی جب ان کی چوپال میں گاؤں کی جوان لڑکیوں کے شادی بیاہ کے قصے چھڑ جاتے تو وہ اپنے ناریل کے حقے سے سلفے کے دو چار کش کھینچ کر ٹھنڈی سانس بھرتے "ہاں اب دو چار سال میں مجھے بھی اپنی رودا کا کوئی بندوبست کرنا ہی ہوگا"

کتنے برسوں سے وہ یہی کہتے چلے آ رہے تھے شاید دو چار برس سے ان کا مطلب چالیس پچاس سال یا اس سے بھی کچھ زیادہ تھا۔ نوجوان لڑکی کو گھر بٹھائے رکھنے پر سب سے زیادہ مضبوط استدلال وہ یہ پیش کرتے "کہ کچھ رودا مجھ پر بھار تو نہیں ہے" خوشحال مقدم۔ جیون پاسی اور رستم بقال ان کی ہاں میں ہاں ملا کر اکثر تائید اور تائید مزید کے اہم فرائض انجام دیتے جیسے "ہاؤس آف کامنز" میں کسی خاص معاملہ پر لمبی چوڑی تائیدیں کی جا رہی ہوں۔ ٹھاکر کی آنکھیں چوپال کے کونے کونے میں ناچنے لگتیں۔ گویا ہر در و دیوار سے ان کے اس نیک خیال کی تائید ہو رہی ہے۔

جب کسی کے دانت کے نیچے مردار دب جاتا ہے تو مشکل سے چھوٹتا ہے۔ بڑھاپے میں تو حرص و ہوس کی آگ اور بھی دہک اٹھتی ہے۔ ٹھاکر گھنشیام سنگھ کی بدکرداریاں بڑھاپے میں جوانی سے زیادہ نکھر چکی تھیں! پیتم پیاران کا خاندانی بوہر دا ہا۔ تھا۔ اس کا

باپ بھی "دوگاہی" کی دو تین قسطیں لیکر بیاج میں زندگی بھر لٹ جوتا گیا۔ اب بچپن سے یتیم بھی اپنے باپ کے کئے کی سزا بھگت رہا تھا! بچپن سے کام کاج کرتے کرتے وہ ٹھاکر کے کنبہ میں رل مل گیا تھا۔ ٹھاکر اسے مانتے بھی بہت تھے انہوں نے اسے دو قسطیں دے کر پاس ہی ایک گاؤں میں سورج چمار کی لڑکی رودا سے اسکا گنٹھ بندھن کروا دیا تھا جو اپنی خوبصورتی اور سندرتا میں پاس پڑوس میں بہت مشہور تھی۔ لوگ کہتے تھے کہ یہ چمار کی نہیں کسی چھتری یا برہمن کی لڑکی ہے۔

رودا اور یتیم قریب قریب ہم سن تھے۔ دونوں ساتھ ہی کھیلے کودے اور ساتھ ہی جوان ہو گئے۔ رودا بچپن ہی سے یتیم کو چاہتی تھی۔ مگر یتیم نے کبھی بھولکر بھی یہ نہیں بھلایا کہ وہ ایک نیچ ذات چمار ہے۔ وہ رودا کو ہمیشہ اپنے مالک کی لڑکی اور اونچی ذات کی کنیا کی طرح مانتا تھا۔ رودا نے کتنی بار اپنے "نسوانی وقار" کو چھلکر اس کے مردانہ جذبات سے کھیلنے کی کوشش کی۔ آنکھوں کے اشاروں سے کتنی ہی بار سمجھایا لیکن وہ ایکر تبہ بھی اسکا مطلب یا تو سمجھا نہیں یا سمجھنے کی کوشش نہیں کی۔!

غریب کی نگاہوں میں پرائی آبرو کی کتنی قدر ہوتی ہے۔ یتیم کی نگاہیں پکار پکار کر کہہ رہی تھیں۔ اس نے رودا کی ایک بات کا بھی جواب کبھی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر نہیں دیا۔ نہ جانے کتنی خاموش اور سنسان تنہائیوں میں وہ اپنے مردانہ جذبات سے لڑائی لڑکر نکل آیا...... ..اور رودا......... اسے پا بھی نہ پا سکی۔!

وہ خوب سمجھتا تھا کہ جس طرح ایک عورت اپنی عزت و آبرو بچانے کی ذمہ دار ہے ویسے ہی مرد بھی! پاپ کی سزا عورت اور مرد دونوں کیلئے برابر ہے۔ وہ استقلال اور پامردی کے ساتھ اپنے مضبوط ارادوں پر اٹل رہا۔ اور رودا اسے برابر پاپ کی دلدل میں

آگ میں جلنے کیلئے اشارے ہی کرتی رہی۔

جب سے مُرلیا پیتم چمار کے گھر بیاہ کر آئی تھی۔ ٹھاکر گھنشیام سنگھ پیتم پر پہلے سے زیادہ مہربان ہو گئے تھے بات بات پر ڈانٹنا، گالیاں دینا بالکل بند ہو گیا تھا۔ کہاں تو مہینوں اور برسوں اس کی طرف دیکھتے بھی نہ تھے، اور اب دن میں دو دو تین تین مرتبہ خود پیتم کو بلانے جاتے۔ مُرلیا ان کے بلانے کا سن کے کبھی ادھر دروازے چلے آنے پر لمبا سا گھونگھٹ نکال کر دیوار کی طرف منہ پھیر کر بیٹھ جاتی! ٹھاکر کے بہت پوچھنے گچھنے پر بھی وہ کوئی جواب نہ دیتی۔ اتنے دنوں میں اس نے کبھی آنکھ بھر کر بھی انکو دیکھنے کی کوشش نہیں کی۔

کانک بونے کا زمانہ قریب تھا۔ ربیع کی فصل بونے کیلئے کھیتوں کی تیاریاں بڑے زور و شور سے ہو رہی تھیں۔ کچھ رات گئے سب لوگ ہل لیکر کھیتوں میں چلے جاتے۔ اور دس گیارہ بجے تک کھیت جوتتے رہتے۔ پیتم چمار بھی آدھی رات سے مُرلیا کو اکیلا چھوڑ کر کھیت چلا جاتا اور اونچی آواز میں دو ہے ،، کے بول دیہاتی لہجہ میں گا گا کر لوٹتی ہوئی رات گذار دیتا۔ کبھی کبھی ٹھاکر بھی اتنی ہی رات گئے ٹہلتے ہوئے پہنچ جاتے اور کھیت کی مینڈ پر کھڑے کھڑے حقے کے دو چار کش کھینچکر الٹے پاؤں واپس آجاتے۔

ایک چاندنی رات میں جبکہ سارا گاؤں سو رہا تھا کبھی کبھی پاس کے کھیتوں سے بیلوں کے ہنکانے کی آوازیں آجاتی ہیں۔ ٹھاکر اپنے گھر سے نکل کر دبے پاؤں پیتم کے جھونپڑے میں چلے گئے۔ پیتم چمار تھوڑی ہی دیر پہلے ہل لیکر کھیتوں کی طرف جا چکا تھا ،، مرلیا، ایک ٹوٹی ہوئی کھاٹ پر پڑی ہوئی جاگ رہی تھی۔

،، پیتم ،، قریب پہنچکر انہوں نے دھیرے سے پکارا۔!

"مرلیا" گھبرا کر اُٹھ بیٹھی۔ اور لمبا سا گھونگھٹ نکال کر چارپائی سے اٹھنا ہی چاہتی

تھی کہ ٹھاکر خود اس کے برابر بیٹھ گئے۔ وہ سکتے میں رہ گئی۔

"مرلا" کیا چیم گیا۔ انہوں نے پیار کے لہجے میں "مرلیا" کو مرلا بناتے

ہوئے پوچھا!

مرلیا نے پلنگ سے اٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے ہمت کر کے جواب دیا۔

کھیت گئے ہیں........ چاچا۔

"اٹھتی کیوں ہے بیٹھ جا" ٹھاکر نے اس کا ہاتھ پکڑ کر بٹھا لیا۔

مرلیا نے بڑی ہمت کی مگر اس کی سمجھ میں کچھ نہ آیا کہ وہ کیا کرے! اس کے قدم

اٹھائے نہ اٹھ سکے۔ زبان رک گئی۔ بدن کانپنے لگا۔ ٹھاکر نے ہاتھ بڑھا کر اس کا

گھونگھٹ الٹتے ہوئے کہا۔

"یہ گھونگھٹ کیوں نکالے ہو"

اس کا چاند جیسا خوبصورت چہرہ چمکنے لگا۔ جیسے ساون بھادوں کی اماوس کی رات

میں بادل کا کوئی ٹکڑا ہٹ جانے سے ماہتاب چمکنے لگتا ہے۔ اس کی نگاہیں نہ

اٹھ سکیں۔

ٹھاکر کچھ زیادہ بڑھنا ہی چاہتے تھے کہ ان کی چوپال کے پاس سے چند کتوں کے

ایک ساتھ بھونکنے اور آدمیوں کے جاگنے کی آہٹ معلوم ہوئی اور وہ جلدی سے اٹھ کر

باہر نکل آئے لیکن چلتے چلاتے بھی انہوں نے "مرلیا" کا منہ چوم ہی لیا۔

غریب اور مجبور عورت کی آبرو ہی کیا۔! پھر چار دن کی بیاہی دیہاتی لڑکی تو دو

حرف بھی زبان سے نہیں نکال سکتی! باقی رات مرلیا نے رو رو کر اسی سوچ میں گذار دی

گھڑی بھر بھی اسکی آنکھ نہ لگ سکی - ذرا سی آہٹ میں ایسا معلوم ہوتا جیسے ٹھاکر کھڑے ہوئے مسکرا رہے ہیں - اور زبردستی اس کا منہ چوم لیتے ہیں - وہ سوچتی تھی کہ اگر رات کی بات پتیم سے کہتی ہے تو نہ جانے وہ کیا خیال کرے - ایشور جانے اس کے خیال میری ہی طرف سے بدل جائیں یا غصہ میں وہ کوئی ایسی بات کر بیٹھے جس سے زندگی بھر پچھتانا پڑے پاپی کی زبردستیوں سے آبرو کے لالے پڑے ہوئے ہیں ! ہو ذرا سکتا ہے تو کسی جتن ہی سے اس کے سوا کوئی دوسری تدبیر نہیں ہے - !

صبح ہوتے ہوتے وہ یہی فیصلہ کر سکی کہ آج رات کی ایک بات بھی وہ پتیم سے نہ کہے گی -

---

دوپہر کے قریب پتیم گھر واپس آیا - مرلیا کو دیکھ کر اس کے جیون میں بسنت کی طرح ہریالی آگئی - دو چار ہنسی مذاق کی باتیں کر کے اس نے روٹی کھائی اور ٹھاکر کے یہاں صبح کیلئے گیہوں لینے کو چلا گیا ! کیونکہ سویرے گیہوں بونے تھے .

انگنائی میں سفید ساری باندھے ہوئے رودا بیٹھی تھی - اس کے سامنے بھنڈی کی ترکاری رکھی ہوئی تھی جسے وہ کاٹ رہی تھی ! پتیم کو دیکھ کر مسکرانے لگی .

" صبح گیہوں بونے کیلئے .... تولدو " اس نے نیچی نگاہیں کئے ہوئے رودا سے کہا -

" اور جو نہ تولوں " مسکراتی ہوئی وہ بولی -

تو میرا کون سا گھاٹا ___ نقصان تمہارا ہی ہوگا - وہ بھی ہنس دیا -

رودا ہنستی ہوئی اٹھ بیٹھی - " اچھا آئے تو "

سامنے کی سہ دری میں بکھاریاں بنی ہوئی تھیں پاس ہی بانسوں کی سیڑھی رکھی ہوئی تھی۔ رودا سیڑھی پر چڑھنے لگی یتیم نے منع کیا لیکن اس نے ایک نہ سنی! بانس کے ایک ایک ڈنڈے پر چڑھتا۔ وہ سیڑھی کو ہلا رہی تھی اور یتیم کی طرف دیکھ کر مسکراتی جاتی! نہ جانے سیڑھی کی کس کیل میں اس کی ساڑی الجھ گئی اور وہ دھڑام سے نیچے آ رہی۔!

یتیم نے لپک کر اسے اٹھا لیا

میں منع کرتا تھا...... چوٹ تو نہیں لگی رودا؟ اس نے پوچھا۔ رودا نے دونوں باہیں اس کے گلے میں ڈال دیں اور اپنا سر اس کے کاندھوں پر ٹیک کر اسے بھینچ لیا اس کے رویئں رویئں سے چنگاریاں برس رہی تھیں! یتیم گھبرا اٹھا! وہ ڈر رہا تھا کہ پھونس میں آگ لگ چکی ہے کہیں شعلے نہ بھڑک اٹھیں۔ اس کا دم گھٹنے لگا۔ اس نے چھڑانے کی کوشش کی لیکن رودا کے ہاتھوں میں بلا کی قوت آگئی تھی۔ اس کے ہاتھوں کی گرفت ڈھیلی نہ ہوئی!

"کیا کر رہی ہو رودا ۔ ٹھاکر نے اگر دیکھ لیا تو ہمیں دونوں کو مار ڈالیں گے"

"مگر اب میں لب نہ رہ سکوں" اس نے جواب دیا۔

"اچھا آج نہیں...... پھر کبھی!" یتیم نے پیچھا چھڑاتے ہوئے کہا۔

"پھر کب" رودا نے پوچھا

"کاتک لوٹوں سا یکادشی کو"

رودا نے اس کا منہ چوم لیا۔ "کہاں پیارے"

"یہیں چوپال میں کچھ رات گئے" یتیم کا کلیجہ دھک دھک ہو رہا تھا!

نسوانی وقار کو خاک میں ملاتے ہوئے رودا کئی بار اپنے آپے سے گذر گئی

اور بمشکل پتیم سے پیچھا چھڑا سکا۔

دس پانچ دن کے ہیر پھیر سے ٹھاکر کچھ رات گئے پھر ایک دن پتیم کے یہاں پہنچ گئے! تھوڑی ہی دیر۔ جب پتیم ہل لیکر کھیت جا چکا تھا۔ مرلیا اس کے جانے کے بعد سے جاگ رہی تھی، ٹھاکر کے پاؤں کی آہٹ پہچان کر وہ چپ چاپ پلنگ کے نیچے کھڑی ہو گئی! ٹھاکر نے آتے ہی اس کا لمبا سا گھونگھٹ الٹ دیا اور ہاتھ پکڑ کر کھاٹ پر بٹھال لیا۔

مجھ سے بھی ڈرتی ہو مرلا؟ انہوں نے کہا۔

چاچا .... وہ کچھ زیادہ نہ کہہ سکی! اس کا گلا بھینچ گیا۔ زور زور سے سینہ اچھلنے لگا۔

ٹھاکر نے اپنی مضبوط باہوں سے بھینچتے ہوئے کہا!

تم کتنی سندر ہو مرلا۔

مرلیا نے بہت جی کڑا کر کے اپنے چہرہ پر مسکراہٹ بلا ہی لی۔ گویا اب وہ راضی تھی۔

ٹھاکر نے ذرا اطمینان کی سانس لیتے ہوئے کئی مرتبہ اس کے ہاتھ دبا دیئے اور اسے چمکار کر پھر لٹا لیا!

خدا پر میری لاج اب تمہارے ہاتھ ہے .... اگر کسی کو معلوم ہو گیا تو میں کہیں کی نہ رہوں گی! اس نے ہمت کر کے اتنا کہہ ڈالا!

نہیں..... نہیں مرلا، تم اطمینان رکھو! ہماری بھی تو عزت ہے۔ تم تو بچوں کی

ایک آدھ کھانا اور دس بیس روپیہ جرمانہ دے کر پھر برادری میں مل سکتی ہو مگر میں تو کہیں کا نہ رہوں گا۔ اگر کسی نے جان لیا۔ ٹھاکر نے جواب دیا۔

"ہاں یہی کہتے ہیں اور بس ـــــ!"

"تو پھر آؤ .... نا ..... !"

بڈھے نے اظہار مطلب کر ہی دیا۔

مگر اتنی جلدی کا ہے کی ٹھاکر ..... پھر کسی دن ـــــ وہ بولی

"اور آج بھی تو موقع ہے"۔ ٹھاکر نے کہا۔

نہیں تم میرا مطلب نہیں سمجھے۔ آج چھوڑ دو۔ اس کی آنکھوں میں مسکراہٹ تھرکنے لگی۔ ٹھاکر اس کا مطلب سمجھ گئے۔

"اچھا یہ بات ہے تو پھر کس دن"؟

"بس پرسوں ایکادشی کے دن"

"ہاں تو میری چوپال میں دس گیارہ بجے رات کو"۔

مرلیا نے وعدہ کر لیا۔ ٹھاکر تھوڑی دیر بیٹھے رہے اور پھر اٹھ کر چلے گئے۔

کاتک کی ایکادشی "ڈیوٹھان" کے تہوار کی وجہ سے بہت مشہور دن ہوتا ہے۔ موسمی اور فصلی تہواروں میں اس دن سنگھاڑے اور ایکھ کا نیا کیا چلتا ہے اور کئی دیوتا کی پوجا چڑھائی جاتی ہے۔ آج کی "ایکادشی" بڑی منگل مہ خیز بن گئی تھی۔ ٹھاکر گھنشیام سنگھ کے گھر بھر میں ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے "انتظار" کے دیوتا نازل ہو گئے ہیں۔ گھنشیام سنگھ میں بھرشٹے کی کلیاں تک نکلاد پنے پر تلے ہوئے ہیں

کربلا رہی ہے ۔ سرسوں کے تیل سے اس کا سر تر بتر ہو رہا ہے ۔ ٹھاکر نے سویرے اٹھتے ہی کہہ دیا کہ آج ۔ گنگاپور ۔ میں کتھا ہے ۔ وہ کچھ دن رہ سے چلے جائینگے ۔ رودا نی پیتم چمار کے آتے ہی کہا :

" آج ایکادشی ہے نا ...... پیتم ! "

" ہاں آج تو ایکادشی ہے " ۔ پیتم نے ایسے جواب دیا جیسے وہ بھول گیا تھا ۔

" دیکھو یاد بھی ہے تم کو " رودا بولی ۔

یاد کیوں نہ ہوتا ... پیتم نے جواب دیا ۔

رودا مسکرانے لگی ۔ پیتم چلا گیا ۔

ادھر ٹھاکر بھی دن میں کئی مرتبہ پیتم کے گھر ہو آئے تھے ۔

" مرلا ! آج ایکادشی کا تہوار ہے نا ... مرلا ۔ نہاؤ گی نہیں " ۔

اس نے بھی ٹھاکر کو یقین دلا دیا کہ وہ اسے یاد ہے !

ٹھاکر نے جیسے تیسے دن کاٹا ۔ شام سے کچھ پہلے ہی کپڑے بدلکر نکل گئے ۔

شاید میں سویرے آسکوں رودا ۔

چراغ جلنے سے کچھ پہلے ہی ٹھاکر اپنی چوپال کی اس کوٹھری میں پہنچ گئے جہاں انہوں نے آج مرلا کو بلایا تھا ۔ آہستہ کواڑ کھولکر اندھیرے میں پڑی ہوئی کھاٹ پر چپکے سے لیٹ رہے تاکہ پلنگ کے چرانے کی آواز نہ آئے ۔

بار بار ان کی آنکھیں جھپک کر کھل جاتیں ۔ ذرا ذرا دیر بعد ایسا معلوم ہوتا جیسے کوئی عورت مرلیا دبے پاؤں وعدہ وفا کرنے کے لئے چلی آرہی ہے اور دروازہ کے قریب پہنچ چکی ہے

انگنائی میں کسی کے آنے کی آہٹ معلوم ہوتی ہے ان کے کان بج رہے تھے۔ جیسے کسی نے دروازے کے پٹ کھول دیئے!...... لیکن جب اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتے تو خالی کوٹھری میں اندھیرے کے سوا کوئی نظر نہ آتا۔ انتظار کرتے کرتے ان کی آنکھیں پتھرا گئی تھیں۔ سارے گاؤں میں سناٹا چھایا ہوا تھا۔ کبھی کبھی دور پر ایک آدھ کتے کے بھونکنے کی آواز ضرور آجاتی! یکایک کسی کے دھیرے دھیرے آنے کی آہٹ سے وہ چونک پڑے۔!

اندھیری کوٹھری میں ان کی تیز تیز سانسیں اس طرح آواز دے رہی تھیں جیسے سنسان جنگل میں جھینگر بول رہا ہو۔

چوں...... چوں سے دروازہ کھلنے کی آواز آئی۔ اندھیرے میں ایک خاموش سایہ...... دھیرے دھیرے...... قدم بڑھاتا ہوا تیز سانسوں کی طرف بڑھتا ہوا چلا گیا...... اور...... اور...... ایک کھلی ہوئی آغوش میں اس کا دبکا ہوا جسم۔!

تھوڑی سی کسمساہٹ کے بعد...... آہستہ سے کسی نے کہا!

"پیارے...... ہیتم"!

متحرک جسم دریا کے پانی کی طرح ٹھہر گئے۔

کون...... ....؟

پہلی آواز لرز گئی...... بابا...... جی؟

جس طرح تیر کمان سے نکل جاتا ہے ایسے ہی وہ جلد پانی سے تڑپ گئی۔

دونوں چپ چاپ سر جھکائے ہوئے کوٹھری سے باہر نکل گئے۔

آسمان پر چھٹکی ہوئی چاندنی ان کے چہروں کی طرف دیکھ دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔

صبح ہوتے ہوتے سارے گاؤں میں یتیم چمارا ور بڑھیا کے بھاگ جانے کا چرچا ہونے لگا۔ اکثر لوگ کہہ رہے تھے کہ بیچارہ بڑا سیدھا تھا۔ لیکن آج تک کوئی یہ نہ جان سکا کہ وہ کیوں بھاگ گئے "

جب جوانی آ رہی تھی!

ان پہاڑی سردیوں میں .... میرے پاس کوئی بھی گرم کپڑے نہیں ہیں پپا....
..... ! تمام کوٹ جمپر، پانٹس سب پھٹ چکے ہیں ...... یہاں تک کہ "رائڈنگ" کے
لئے ایک برجیس بھی باقی نہیں!

پپا کے سامنے میں نے محبت بھری التجا پیش کر دی!

پپا مسکرا دیئے "بے بی، تم کتنی اچھی اور بھولی لڑکی ہو!! جس نے اپنے باپ
کی گاڑھی کمائی بچانے کیلئے اپنی زندگی کو خطرہ میں ڈال دیا اگر خدا نہ کرے بیمار ہو جاتیں
تو ..... ! ہاسٹل کی دلچسپ سرگرمیوں میں کھو کر ایک خط بھی نہ لکھا کہ تمہارے پاس
کپڑے بھی نہیں رہے!!

"پھر میں کیا کرتی پپا" ــ ! خط لکھتیں سب ہی .... میں روپیہ بھیج دیتا .....؟
پپا نے قہقہہ لگاتے ہوئے "پرس" نکالا ! تازے تازے نوٹوں کی گڈی نکالتے ہوئے
بولے! "لو آج ہی کپڑے بنالو ــــ"

ہنستے ہوئے میں نے نوٹوں کو جھپٹ لیا ــ ؟
"تم کتنے اچھے ہو میرے پپا"

ان کی آنکھوں میں مجھے خوش دیکھ کر مسرت کے آنسو چھلک تے سے ! اور

"شب بخیر" کہتے ہوئے وہ ہاسٹل کے ملاقاتی کمرے سے باہر نکل گئے۔

"مامی" کو مرے ہوئے دو سال ہو چکے تھے۔ میری عمر دس برس سے کچھ زیادہ ہی تھی جب مجھے ڈیرہ دون بھیجدیا گیا؟ یہاں ہاسٹل اور کالج کی زندگی نے مجھے اپنا لیا تھا ——! سورج نکلنے سے پہلے اٹھنا، نہانا دھونا۔ لطیفہ، مس جیمس، "روزی" اور کملا کے دل فریب جھرمٹ میں "واکنگ" کرنا۔ ناشتہ اور پھر لکھنا پڑھنا، پھر کالج، سہ پہر کو کھیل کود کبھی کبھی شام کو پکچر! یہی میری زندگی کا یادگار پروگرام تھا۔ چھٹے چھ ماہ سے پپّا آتے اور مجھے اپنی مسرور آنکھوں سے خوش و خرّم دیکھکر واپس چلے جاتے! کیونکہ ان کو چھٹی نہیں ملتی تھی وہ اسی صوبہ میں جیل سپرنٹنڈنٹ تھے! میرا دنیا میں ان کے اور "سہیل" کے سوا کوئی بھی نہ تھا! سہیل میرے ماموں کا لڑکا تھا۔ انگلستان میں کئی برس سے بیرسٹری کی ڈگری کیلئے باپ دادا کی جمع کی ہوئی گاڑھی کمائی بیدردی سے اڑا رہا تھا۔ میں نے سنا تھا کہ مرتے وقت "مامی" پپّا سے کہہ گئی تھیں کہ میری اکلوتی بیٹی کا ناتہ سہیل سے جوڑ دینا۔

میں نے ان کو بہت دن ہوئے دیکھا تھا جب میں بہت چھوٹی تھی اور وہ اچھے خاصے جوان؟ انہوں نے مجھے محبّت سے گلے لگا کر چوم لیا تھا اور میں یہ کچھ نہ سمجھ سکی کہ انہوں نے ایسا کیوں کیا؟

ہوسٹل کی زندگی میرے لئے روز بروز دلچسپ سے دلچسپ تر ہوتی چلی جا رہی تھی۔ میری سہیلیوں میں لطیفہ بڑی متین اور سنجیدہ لڑکی تھی۔ اس کا زیادہ تر وقت کتابوں کے مطالعہ، قدرتی مناظر کے مشاہدے، یا تصویر کشی میں گذرتا۔ وہ اکثر بہت کم بات چیت کرتی تھی! اس کے برعکس روزی اور کملا بڑی شریر اور چلبلی لڑکیاں تھیں۔ یہ دونوں مجھ سے سن میں بڑی تھیں لیکن آپس میں بالکل برابر۔ "مس جیمس" کتنی اچھی تھیں، اب بھی

جب یاد کرتی ہوں تو ان کی بوڑھی جوانی کا نقشہ آنکھوں میں پھر جاتا ہے! اس کی فطرت میں بزرگی، محبت اور ہمدردی کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ کمبخت روزی اکثر کہتی۔ "دیدی" اگر تو کسی گرجا کی پوپ بنادی جاتی تو کتنا اچھا ہوتا۔ شریر کہلانے تو "بوڑھی ملانی" اس کا نام ہی رکھ دیا تھا۔ اور ہنسکر وہ ان سب کی دلچسپیوں میں دل بڑھا دیتی! سارے ہوسٹل بھر میں مجھے نفرت تھی تو اس کمبخت بوڑھی "لیڈی ڈاکٹر" سے! جس نے مس کراؤن جیسی شریف لڑکی کو ایک ذرا سے پیٹ میں درد ہونے پر نہ جانے کیا رپورٹ کر کے ہاسٹل سے نکلوا دیا تھا۔ یہ نفرت چٹی اینگلو انڈین بڑھیا دسویں پندرھویں نہیں تو مہینے میں ایک مرتبہ ضرور سب لڑکیوں کا "میڈیکل ٹیسٹ" لیتی۔ "بلیک روم" میں لیجا کر ایک ایک لڑکی کی جسمانی ساخت اور خدا جانے کن کن چیزوں کو دیکھتی۔ میں اور میری ہم سن لڑکیاں چونکہ بہت چھوٹی تھیں۔ اس لئے ان کے ساتھ "بلیک روم" والا برتاؤ نہیں کیا جاتا۔ مگر پھر بھی ہم لوگوں کو اس طرح ٹٹولا جاتا تھا جیسے "منبرنگ" کیلئے بیری ی ڈاکٹر ان جانوروں کو ٹٹولتا ہے جو ذبح کئے جانے کیلئے چنے جاتے ہیں۔

"میڈیکل ٹسٹ" کیلئے جب ہم سب جمع تھے تو "بلیک روم" سے میرا نمبر پکارا گیا! میں سمجھی کہ دھوکے میں غلط نمبر پکار لیا گیا ہے!

دوبارہ پھر نمبر "۳۳" میں اب بھی نہ گئی۔

پھر آواز آئی، "مس شہناز رحمان" اب تو یقین نہ کرنے کی کوئی وجہ نہ تھی۔ میرا ہی نمبر! میرا ہی نام۔ یا اللہ کیا معاملہ ہے۔

اندر چلی گئی —!

وہی اینگلو انڈین لیڈی ڈاکٹر —— بیٹھی تھی جس سے مجھے اللہ واسطے کا

بیزتھا ــــــ!

موٹے موٹے..... شیشوں کی عینک سے جھانک کر بیٹھنے کا اشارہ کرتی ہوئی بولی :-

" دیکھو ــــ مس رحمان...... اب تم جوان ہو رہی ہو! ..... اور...... تم کو چاہیئے کہ ...... اپنی خوبصورتی اور جوانی کی حفاظت کرو! اس نے رُکتے ہوئے کہا۔

" تم کو چاہیئے، اپنے خیالات، اور رجحانات صرف اپنی تعلیم اور صحت کی طرف بدل دو ـــــ خوبصورتی اور جوانی صرف نیک چلنی اور خوش سیرتی سے مل سکتی ہے ـــــ ؟ تم کو چاہیئے .... ؟"

میری آنکھیں بالکل زمین میں گڑی ہوئی تھیں اور میں ـــــ اچانک محسوس کر رہی تھی ـــــ کہ جوانی آرہی ہے! ..... لیکن ..... لیکن ..... کیا مجھ میں اِس بوڑھی نفرت کرنیوالی لیڈی ڈاکٹر نے کوئی ایسی بات دیکھی ہے جو اس کو نیک چلنی کی ہدایت کرنا پڑی مجھے! نہیں .... نہیں ...... ضرور اس سے میرے خلاف جھوٹی باتیں کہی گئی ہیں ...... ورنہ وہ یہ لکچر کا ہیکو دیتی ؟

زندگی میں پہلی مرتبہ سچ مچ میرے دل کو ٹھیس لگی! میرا دل بھر آیا..... نفرت اور غصہ سے بدن کا رواں رواں کانپ اٹھا ـ میرا سر ...... چکرانے لگا ...... آہ ...... اگر آج میری " مامی " مجھکو اس دنیا میں بالکل تنہا چھوڑ کر نہ چلی جاتیں تو یہ سب کچھ کاہے کو سننا پڑتا ـ آہ ...... میرا دل اس منحوس ہاسٹل کی پُرفریب ...... اور بہت دلچسپ دنیا سے نفرت کرنے لگا ـ میں کانپ رہی تھی۔

بڑھیا نے کہا ! لیٹ جاؤ میز پر !

میں اس کی ہیبت سے سہمی ہوئی چپ چاپ سامنے والی میز پر بیٹ گئی۔
کرسی سے اٹھ کر بوڑھی میم میز کے کنارے...... میرے منہ کے پاس آگئی۔
انہیں موٹے موٹے شیشوں کی عینک سے جھانک کر اس نے کہا۔ ؟ "آنکھیں کھولی
رہو ــــــ!"

میں نے ڈر کر آنکھیں کھول دیں پھر خود بخود نہ جانے کیوں آنکھیں جھک گئیں۔
پپوٹوں کو زبردستی کھولتے ہوئے بولی وہ ــــــ!
"پتلیاں پھراؤ۔"
میری پتلیاں نیچے جھک گئیں..... ان میں کوئی گردش نہ ہو سکی
اس نے جھلا کر آنکھیں چھوڑ دیں۔ دل کی طرف بڑھی۔ بیپر کو ہٹاتے ہوئے
"اسٹھتسکوپ" لگا دیا۔
"زور سے سانس لو..... نیچی سانس ... اور زور سے ... پھر
نیچی سانس!"
میں کوئی بھی سانس نہ لے سکی۔ دل ضرور دھڑکنے لگا!
ساری کا پلو ہٹا کر...... اس نے جمپر کے "فاؤنٹ" کھول دیے۔
سینے پر کوئی پردہ نہ تھا۔

میں نے بے اختیاری میں کروٹ لے لی۔ "سیدھی لیٹو۔ سیدھی!" مجھی
اس نے زبردستی سیدھا کرتے ہوئے کہا۔
سینے کو کئی جگہ سے دباتی ہوئی بولی۔ دونوں ہاتھ اونچے کر دیا بغلوں کی ملائم
جلد کو اپنے کھردرے ہاتھوں سے ٹٹولا۔ مجھے گدگدی سی لگنے لگی۔ ہاتھ پھر نیچے ہو گئے۔

پیٹ، پسلیاں ...... رانیں اور جسم کے مختلف حساس اعضاء کے ساتھ "طبِ جدید" کا یہی مظاہرہ کیا گیا۔ میں بری طرح پھڑک گئی۔ سارا جسم پسینے پسینے ہو گیا۔

"جادو" نمبر ۳۴

میں بلیک روم سے باہر نکل آئی ـــــ!

آج کالج میں چھٹی تھی۔ سب لڑکیاں "شاپنگ" کیلئے بازار جا رہی تھیں۔ مس جیمس اور روزی نے مجھے بھی لیجانا چاہا۔ میں بھی جانا چاہتی تھی۔ کیونکہ بہت سا کپڑا خریدنا تھا لیکن نہ گئی ـ ...... سر میں کچھ میٹھا میٹھا سا درد ہو رہا تھا ...... اور رہ رہ کر میرے دل میں یہ خیالات اُمڈ رہے تھے کہ "میں اب جوان ہو رہی ہوں" جوانی آ رہی ہے جوانی" اندر سے اپنا کمرہ بند کر کے چپ چاپ مسہری پر لیٹ رہی۔ کئی بار کتابوں سے دل بہلانا چاہا مگر کچھ نہ پڑھ سکی! ...... کسی بات میں آج دل ہی نہ لگتا تھا۔ سر چکرا رہا تھا۔ بار بار یہی سوچتی تھی کہ ...... جوانی آ رہی ہے! جوانی"

"جوانی کیا ہوتی ہے"؟ مجھکو کچھ بھی معلوم نہ تھا صرف اتنا یاد ہے کہ میری بڈھی انّا میری شرارتوں پر ڈانٹ کر اکثر کہا کرتی تھی کہ "بے بی شرارت نہ کرو ورنہ جوانی آجائیگی" اس وقت میں سمجھتی تھی کہ جوانی کوئی مہیب قسم کی ڈراؤنی چیز ہوگی جو شریر و شوخ بچوں کو ان کی شرارت پر سزا دیتی ہو گی .... پہلے مجھے جوانی سے اتنا ہی ڈر لگتا تھا جتنا میں لنگوری بندر ...... اور کالی بلّی سے ڈرتی تھی۔ یہ کمبخت لنگوری میرے ہاتھ سے ایک دن پیسٹری چھین کر لیگیا تھا ...... یہ موئی کالی بلّی ...... تو میرے سامنے چائے کی میز پر رکھے ہوئے دودھ دان کا سارا دودھ چٹ کر گئی تھی ...... مگر

… تن بلنے کیوں لگے جوانی سے ڈر نہیں لگتا تھا۔ نہ معلوم میرے خیالوں میں
تبدیلی ہوئی … کیا معنی تھے میں خود بیان نہیں کر سکتی —— ! ہم خیالات کے ہجوم سے
گھبرا گئی … کی طرف دیکھا ….. دھڑک رہا تھا … ابھی تک میں وہی ساری
پہنے … تھی … اس بوڑھی بیڈی کو آتے سے چھو لیا تھا … اٹھ کھڑی ہوئی …..
اس ساری کو نہ پہنوں گی اب ! الماری سے دوسرا جمپر اور دوسری ساری نکالی۔
… کے پاس … جمپر اتار دیا جمپر جو اس بوڑھی بڑھیا نے چھوا تھا ……
… جمپر … بھی … ہونے کی … مجھے یاد آگیا … اس نے
… مجھے … پوچھا تھا … غصہ میں … تب اس بوڑھی بیڈی
… سے … زیادہ بد سلوکی کی۔ … سینے کے ساتھ … ہو گیا تھا
… کو … اٹھ سکی … کی طرف !!
جلدی جلدی ساری … مسہری پہ بیٹھ کر پڑ رہی … پھر منہ کھول لیا
… —— ؟ کیا … جوانی آرہی ہے۔ … بند …
آنکھیں … میں نے دیکھا … جوانی آرہی تھی … ایک بہت بڑی
… ساتھ … ہیں … ہیں۔ یہ ایک بڑی خوفناک
… سے … گندی … وغیرہ جا کیں … سیلاب ہے ….. سیلاب
… میں … کے … جوانی … دیکھوں سیلاب کیسے
آتا ہے … مجھے … لہریں … آگئیں ….. گھبرا کر
… کتنا … خواب تھا … دل زور زور سے دھڑک رہا تھا کچھ ہلکا
ہلکا سا بخار … سر میں درد بھی تھا … اٹھ کر میں نے اسپرو

کی گولیاں حلق سے اتار لیں...... کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا...... لطیفہ تھی؟

"کیسی ہو شہنا" اس نے پوچھا ——!

"کچھ ٹمپریچر اور ہلکا سا درد ہے سر میں —— !" میں نے استقبال کرتے ہوئے جواب دیا۔

"اوہ..... تب تو تم ذرا لیڈی ڈاکٹر..... کو دکھلاؤ .... آج کل موسم اچھا نہیں ہے۔ میں لیڈی ڈاکٹر کو کہتی ہوں ابھی ——!"

"نہیں ..... نہیں ...... لطیفہ بہن..... میں بالکل اچھی ہوں۔ لیڈی ڈاکٹر کو بلانے کی ضرورت نہیں ہے!"

"یہ تمہاری کون سی ضد ہے۔ بیماریوں میں ایسی ضد اچھی نہیں ہوتی" لطیفہ نے سنجیدگی سے کہا۔

"مگر میں تو بالکل اچھی ہوں..... اب! اسپرو کی گولیاں کھالی ہیں....... آؤ چل کر تھوڑی سی چائے پی لیں بس"

اتنے میں قہقہوں کا طوفان اٹھاتی ہوئی روزی، کملا اور مسز جیمس آگئیں۔ بات کہیں سے کہیں پہونچ گئی تھی۔ سب چائے پینے کیلئے چلدیں۔

چائے پر مسز پیریرا روزی نے کھلکھلا کر ہنستے ہوئے پوچھا۔

"کہو شہنا، میڈیکل ٹیسٹ کیسا رہا تمہارا ——؟"

کملا نے دخل در معقولات کرتے ہوئے کہا۔

"ویسا ہی جیسا تمہارا سب کا رہ چکا ہے"

لطیفہ نے پیسٹری کے ٹکڑے کو جھنجھوڑتے ہوئے راز کھول دیا۔

"لیکن ہم کو تو بخار نہیں آیا تھا۔"

میں جھینپ گئی۔ سب لڑکیاں جھپٹ گئیں۔ کیوں! کیا ہوا شہنا؟ کیسی ہو کس وقت بخار آیا ..... کون سی دوا دی تم کو لیڈی ڈاکٹر نے ..... اوہ ..... تمہارا ماتھا اب تک جل رہا ہے۔ ہزار ہا اور مسلسل سوالات نے میرے حواس کھو دیئے۔

سب لڑکیوں نے نہ جانے اشاروں ہی اشاروں میں کیا بات چیت کر لی۔ روزی نے لیڈری کے فرائض انجام دیتے ہوئے کہا — ! تو پھر اس کے یہ معنی ہیں کہ ہم سب کا ایک ڈنر ..... تم پر واجب ہو گیا شہنا!

میں نے پوچھا ..... کیوں ..... !

وہ کہنے لگی "سپیکل ٹیسٹ۔ میں جو لڑکیاں ہر طرح پوری اترتی ہیں ان سے ڈنر لیا ہی جاتا ہے۔" "اچھا تو ہو گا ڈنر"

روزی کی ہاں میں ہاں ملانے والی لڑکیوں نے ہلڑ مچایا۔ پاس پڑوس سے اور بھی لڑکیاں آگئیں — اور بالاتفاق رائے "ڈنر" کا دن مقرر کر دیا گیا۔ اکثر اتوار ہی کالجوں اور سکولوں میں سوسائٹی کا ڈسپلن ہی بڑی چیز سمجھا جاتا ہے! اور باری باری ہر ایک کو بیوقوف بننے کیلئے ہر وقت تیار رہنا پڑتا ہے چنانچہ میں بھی بیوقوف بنائی گئی اور بننا پڑا —!

کھیل کود کا وقت آچکا تھا ..... سب لڑکیاں سبزہ زار پر پہنچ گئیں تھیں۔ روزی اور کملا نے بہتیرا چاہا کہ مجھے بھی کھینچ لے جائیں لیکن میں نے عذر کر دیا کہ میرا جی نہیں لگتا — اور اپنے کمرہ میں چلی آئی۔

کمرہ کا دروازہ اندر سے بند کر کے سنگھار میز کے سامنے کرسی پر جا کر بیٹھ گئی —

بڑی دیر تک آئینہ میں اپنی صورت دیکھنے کی کوشش کرتی رہی لیکن آنکھیں چار نہ ہو سکیں...... آج میری نگاہوں میں کچھ عجیب سی شرم اور نئے انداز کی حیا پیدا ہو گئی تھی کئی بار کنگھا اٹھا کر میں نے الجھی ہوئی لٹوں کو درست کرنا چاہا.... مگر یہ بھی نہ کر سکی!

آج میں نے اپنے جسم کو کئی مرتبہ دیکھنے کی کوشش کی۔ لیکن شرم ... نہ جانے کہاں کی شرم مجھ پر ٹوٹ پڑی تھی۔

غسل خانے کا دروازہ کھول کر اندر گئی ... سوکھے ہوئے ٹب پر ترس آ گیا۔ میں دن میں کتنی بار نہاتی تھی لیکن دل مرتبہ بند ہوتی تھی۔ جی میں آیا لاؤ نہا ڈالوں۔ شاید اس طرح کچھ ہلکا ہو جاؤں گی! ٹب میں پانی جمع ہونے کے لئے نل کی ٹونٹی کھول دیا نہانے کے کپڑے میں نے پہن لئے تھے!

ٹب تھوڑی دیر میں بھر گیا جیسے ہی میں نے اس میں قدم رکھا خواب والا سیلاب یاد آ گیا۔ بدن میں خوف و ہراس کی جھرجھری پیدا ہو گئی۔ جیسے دریا کا پانی میرے پاؤں کے نیچے آ گیا۔

صابن کی جھاگ سے پورا ٹب ہمالیہ کی چوٹی کی طرح سفید نظر آ رہا تھا اور اس برفانی چوٹی سے صرف میرا نیلا ابھرا سر دکھائی دے رہا تھا۔ میں نے اپنے جسم کے ان حصوں کو دیکھنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ جو اس منحوس لیڈی ڈاکٹر نے چھو لئے تھے۔

نہانے سے میرا تمام جسم پاک ہو گیا تھا۔ اور میں اتنا خوش تھی جیسے گنگا سے نہا کر ایک ہندو جاتری، خوش اور مسرور ہوتا ہے۔

کہاں سے کہاں!

بھرپور بدن کا نازک نازک حسین اور حسین مجسمہ، مخمور گلابی آنکھوں میں حجاب آگیں جوانی کی توبہ شکن انگڑائیاں! کتنی خوبصورت اور شکیل ہے یہ لڑکی! اس شخصیت میں بلا کی ذہانت، قیامت کی طباعی، شوخ و طرار، لکھتی ہے تو الفاظ کی گنگا جمنا بہاتی چلی جاتی ہے، سوچتی ہے تو فردوس اور ناہید کی تخیلی دنیا سے کوسوں دور نکل جاتی ہے۔ محاورات اور روز مرہ جیسے لال قلعے کی ٹکسالی زبان! کتنی خیالی جنتیں اس کے تخیل سے دماغ میں رقصاں جنباں ہیں۔

محبت۔ کتنا عجیب و غریب نظریہ پیش کرتی ہے محبت کے متعلق یہ لڑکی!

کیا سچ مچ محبت فریب نفس کا ایک خوبصورت اور رنگین نام ہے۔ مرد، عورت کی جمالیاتی کائنات پر ڈاکہ ڈالنے کیلئے، اس کے حسن و شباب پر قبضہ کرنے کیلئے، محبت کا فریب دیتا ہے۔ عشق کا ڈھکوسلا بناتا ہے۔ کیا واقعی اس جمیل ادیب نے اپنے تازہ ترین شاہکار۔ ناہید۔ میں اپنے دل کی چھپی ہوئی گہرائیوں کو نقش بر آب نہیں کر دیا۔

ناہید۔ اپنی کائنات دوشیزگی کو...... مرد کی اداؤں، فریبیوں اور رنگینیوں کی نذر کر دینے سے پہلے اپنے ڈوبتے ہوئے سفینے کو طوفانی موجوں میں غرق دیکھتے ہوئے مسکرانا چاہتی تھی! وہ سچ مچ ناہید تھی۔ عصمت، عفت، دوشیزگی اور وفا نسوانیت

جیسے چمکتے ہوئے تاروں کے جھرمٹ میں اپنی زندگی کو وہ ایک مکمل اور کامیاب زندگی دیکھنا چاہتی تھی۔ اس کے نزدیک عورت اس "سماجی مرد" کی آغوش میں بھی جسے شوہر کہتے ہیں اگر جذبات اور ہوس کا شکار ہو جاتی ہے تو وہ مکمل عورت نہیں رہتی۔

شمسہ کے متعلق کتنی تخیلی تصویریں میرے ذہن کے گوشے گوشے میں جگمگانے لگیں۔ یہ کمسن ادیبہ بڑی ہو کر کتنی لافانی شہرت اور عزت حاصل کرے گی۔ ادب اور افسانے کی دنیا میں کتنے جاودانی نقوش کبھی نہ مٹنے والے پاکیزہ نظریئے پیش کرے گی۔

...... مگر آہ ...... دوشیزگی کی نوجوان حسرتوں میں! ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے اس کے چھپے ہوئے دل میں انسانیت اور سماج کے خلاف بغاوت کی چنگاریاں بھڑک رہی ہیں۔ وہ مرنا چاہتی ہے! ایسے ارادہ کے ساتھ جو عورت کا ارادہ، دوشیزگی کا عزم، اور عصمت کی ہٹ ہے۔ کنواری لڑکی خدا کیلئے دنیا کی حسرتوں کو پامال نہ کر، سوچ اور سوچ، تیری تحریریں، تیرے خطرناک ارادوں کی کتنی آئینہ دار ہیں، میں دیر تک سوچتا رہا۔

رسالہ "خیال" کے ہر ماہانہ شمارے سے انھیں "شمسہ" کے انقلاب انگیز افسانے پڑھتے پڑھتے اس ننھی ادیبہ کے متعلق ہزار ہا رنگین تصورات میرے دل و دماغ پر چھا چکے تھے۔ کتنی خیالی تصویریں، کتنے تصوراتی سراپے! میں نے بنا ڈالے تھے۔ اس لڑکی کے متعلق، جس سے اردو ادب اور افسانہ نگاری بہت سے گراں مایہ نظریئے حاصل کرنے کیلئے بیتاب تھا۔ جس کی تحریریں موجودہ دور میں ایک ایسا لافانی شاہکار خلق کر رہی تھیں، جو ابد الآباد تک زندہ رہنا چاہتا تھا۔ اے کاش جو کچھ وہ لکھتی ہے، وہ اس کے سچے جذبات دلی احساسات اور ذاتی نظریئے نہ ہوں! خدا کرے ...... یہ سب کچھ افسانہ ہو اور خود

اس کی زندگی اس افسانوی تمثیل سے کوسوں دور، محض ایک دوشیزہ کی پر ارمان، پر اضطرار اور بے قرار زندگی ہو! اس کا دل معصوم دل تڑپ رہا ہو، اس کبھی نہ مٹنے والی خلش کیلئے جو ایک الھڑ اور معصوم لڑکی کے دل کو بے چین کر دیتی ہے۔

اے ننھی ادیبہ! تجھے کیا معلوم کہ تیرے ان ادبی شاہکاروں پر جان دینے والے، کتنے شاعر اور ملک کے کتنے اہل کمال ہیں جو تیری ذرا سی جنبش چشم و ابرو پر اپنا سب کچھ نثار و قربان کر دینے کیلئے تیار ہیں۔ میرے دل میں بھی اشتیاق اور تمناؤں کا سمندر موجیں مارنے لگا، دل کی بے اختیارانہ کشش کہنے لگی کہ تیری لافانی محبت کو شمسہ ضرور لبیک کہدیگی، لیکن ایک نادیدہ عاشق ایک دوشیزہ کو اس طرح محبت کا پیغام کیسے دے سکتا ہے۔ عورت، عورت کے دل کا راز پا سکتی ہے۔ تب سے ایک فرضی سہیلی کا روپ بھر کر اسے لکھا۔

میری پیاری شمسہ تسلیمات!

آپ کے افسانے ماہنامہ "خیال" میں پڑھتی رہتی ہوں! کیا "محبت" کے متعلق آپ نے جتنے نظریئے ان افسانوں میں پیش کئے ہیں وہ آپ کے ذاتی خیالات ہیں! میری اس بیباکانہ جسارت کو معاف فرمایئے گا میں اس سلسلہ میں یا تو آپ کی ہم خیال بن جاؤں گی یا آپ کو اپنا ہم خیال بنالوں گی۔

کیا آپ اپنی ایک ہمراز سہیلی سمجھ کر مجھ سے اس سلسلہ میں خط و کتابت کرنا پسند کرینگی۔

آپ کی بہن

"رفعت" احسان علی از بنارس۔

ہفتہ بھر کے بعد ہی مجھے شمسہ کا ایک لفافہ ملا۔

میری پیاری بہن نعمت!

آداب، آپ کا خط ملا میرے افسانوں میں آپ نے جو کچھ پڑھا ہے وہ میرے سچے خیالات اور ذاتی تاثرات ہیں۔ محض افسانوں کی رنگ آمیزی کے لئے اپنے صحیح نصب العین اور ذاتی خیالات سے ہٹ جانا میں پرلے درجہ کی "ادب فریبی" اور ادب کیساتھ انتہائی بے ادبی سمجھتی ہوں! مرد ایسے سماجی اور فطری فریب کو میں ہمیشہ فریب سمجھتی رہی اور سمجھتی ہوں۔ میں نے خود شادی سے انکار کر دیا ہے۔ اگر آپ اس سماجی دھوکہ میں نہ آ چکی ہوں تو خدا کیلئے فوراً انکار کر دیجئے! سوسائٹی و سماج کا ہمت کیساتھ اسی وقت مقابلہ کیا جا سکتا ہے۔ جب ہم آپ جرأت و پامردی کے ساتھ اس کے ڈھکوسلوں کو توڑ دیں۔ یہی نہیں بلکہ مرد کو دنیا کے دائرہ انسانیت سے اس طرح خارج کر دیں۔ جس طرح اس بزم موجودات میں کبھی اسکا وجود ہی نہ تھا۔

یہ سچ ہے ایسی صورت میں دنیا کی تخلیق ضرور ختم ہو جائیگی۔ لیکن بہرحال یہ تو ایک نہ ایک دن ہونا ہے۔ دنیا آج نہیں تو کل ختم ہی ہو کر رہے گی۔ فطرت مرد سے عورت کی مظلومیت کا انتقام لے گی اور لے کر رہے گی۔ پھر ہم اس سلسلہ میں اس کا ہاتھ کیوں نہ بٹائیں۔ میں وقار نسوانیت کو قائم رکھنے کیلئے عصمت اور عفت کو سماج کی آندھیوں سے بچانے کیلئے نہ محض خود بلکہ ساری دنیا کو تباہ و برباد دیکھنے کیلئے بیقرار ہوں۔ کاش آپ بھی میری ہم خیال بن سکیں......؟

آپ کی

شمسہ

خط پڑھتے ہی میری بیقراریوں میں ایک ہیجان پیدا ہو گیا اب کسی شبہ کی گنجائش باقی نہ تھی۔ افسوس، ننھی ادیبہ، معصوم لڑکی نے جو کچھ لکھا تھا حقیقتاً وہ اس کے ذاتی تاثرات اور ادبی نتائج تھے۔ تعجب تو اس بات کا تھا کہ کمسن لڑکی ـــ جو ابھی ایک معصوم اور ان کھلی کلی تھی اس نوجوانی اور کمسنی پر شادی سے انکار ہی نہیں تنفر کا اظہار کر رہی تھی۔

شمسہ کے انکار نے میرے دل کی بیقراریوں میں اور بھی آگ لگا دی۔ میں ان دیکھی اس کا نادیدہ عاشق تو ہو ہی چکا تھا۔ اشتیاق اور اضطرار نے بے چینیوں میں ایک ایسا اضافہ کر دیا کہ شمسہ کی خیالی تصویر در دسراپا بن گئی۔ دل اس کو اپنا لینے کیلئے اس طرح تڑپنے لگا جیسے دریا کے کنارے ریت میں تڑپتی ہوئی مچھلی پانی میں سما جانے کیلئے بیقرار ہو ـــ!

آپ جانتے ہیں جب محبت کا بھکاری کسی کے در سے ٹھکرا دیا جاتا ہے، جب محبت کی تکمیل میں انکار کی چٹان سنگِ راہ ہو جاتی ہے تو انسان کتنا پاگل، کتنا دیوانہ اور خبطی ہو جاتا ہے۔ محبت انتظار اور وعدوں پر کتنا زندہ رہ سکتی ہے، ہزار ہا برس لاکھوں سال، اگر صرف محبت کی تسکین جھوٹے وعدوں سے کر دی جائے تو ہجر و فراق کی لذتیں صدیوں کیلئے انسانوں کو زندگی بخش سکتی ہیں، انسان امیدوں پر مر جانے کے بعد بھی زندہ رہ سکتا ہے۔ لیکن شمسہ، نا سمجھ شمسہ نے میرے چوٹ کھائے ہوئے دل پر انکار کا ترکش خالی کر کے مجھے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے دفن کر دیا، میری تمناؤں کو خاک میں ملا دیا۔ اے کاش! وہ سمجھ سکتی کہ پھول اسی لئے ہوتے ہیں کہ بھونرا اس سے رس لے، شمعیں جلتی ہیں اور اسی لئے کہ پروانوں کی پیاس بجھا سکیں، چاند چکور کیلئے جگمگاتا ہے اور

انسان محبت کیلئے پیدا ہوا ہے، میں نے اس کے خط کا جواب لکھ کر بھیجدیا۔

پیاری شمسہ، تسلیم!

محبت نامہ پہنچا، معلوم ایسا ہوتا ہے کہ تم نے میرے خط کے جواب میں اپنے کسی نئے افسانے کا کوئی حصہ نقل کر دیا ہے۔ میری پیاری بہن! میں تو یہ سمجھتی تھی کہ تم نے افسانوں میں جو کچھ لکھا ہے وہ افسانہ ہی ہوگا اور میں تم کو بہت جلد اپنی "بھابی" بنانے میں کامیاب ہو جاؤ نگی ـــ

لیکن اب شائد تم کو رام کرنے میں کچھ دیر لگے گی۔ سماج اور سوسائیٹی کے بندھن توڑ ڈالو، رسومِ جہالت کا خاتمہ کر دو۔ مگر خدا کیلئے نظامِ قدرت اور فطرت کی آہنی دیواروں سے نہ ٹکراؤ ـــ

میری اور تمھاری جیسی کروڑوں عورتیں خود کو فنا کر کے قدرت کے اصولوں کو نہیں توڑ سکتیں۔ سماج ہماری کمزوریوں کا نام ہے، اور مرد صرف "ایک ماں کا بچہ" دنیا کی کسی تاریخ سے یہ ثابت نہیں ہوتا ہے کہ مرد تنہا نظامِ عالم کو سلجھا لینے پر قادر رہا ہو ـــ! مرد اور عورت جسمِ انسانیت کی دو روشن آنکھیں ہیں اور ایک آنکھ کے بغیر یہ مجسمہ بیکار ہے!

شادی تو ابھی میری بھی نہیں ہوئی ہے لیکن اس وقت تک سچ مچ میں شادی نہیں کروں گی جب تک تمھیں اپنی "بھابی" بنا کر اپنے گھر نہ لے آؤ نگی ـــ!

تمھاری

"رفعت"

میں سمجھتا تھا کہ ضدی لڑکی جھنجلا کر میرا خط پھینکدے گی اور ہرگز کوئی جواب نہ

دے گی. میں اپنا بھائی بن کر خود اپنی شادی طے کرنے کیلئے اس کافر کو رام کرنے پہ تلا تھا اور چاہتا تھا کہ کسی طرح اس باغی ادیبہ کے سر سے بغاوت کا جنون کر دوں محبت کے بے پناہ انتظار میں پندرہ بیس روز کے بعد دفعتاً شمسہ کا خط آ ہی گیا۔ لکھا تھا۔

بہن رفعت!

آداب عرض کرتی ہوں خط پہنچا شکریہ! اس طرف میں کچھ بیمار ہو گئی تھی اس لئے جواب نہ دے سکی امید ہے کہ معاف کر دو گی تعجب ہے کہ تم نے میری "تحریک بغاوت" کو اچھی طرح سمجھنے کی کوشش نہیں کی۔ تمہارے دل و دماغ پر تہذیب قدیم کی روایات جبیل کا تسلط ہے، میں کہتی ہوں محبت تو محبت! اس خود غرض انسان کو انسانیت سے بھی دور کا علاقہ نہیں۔ کیا ضروری ہے کہ اگر ہمارے بزرگ کوئی غلطی کر چکے ہوں تو ہم بھی اس غلطی کو ضرور دُہرائیں۔

عورت و مرد کے جنسی تعلقات دراصل فطرت کی مجبور تعلیم نہیں ہیں! مسیحی کلیساؤں میں رہنے والی سیکڑوں عورتیں آج رہبانیت اور تجرد کی زندگی بسر کر رہی ہیں اور اُن کی روحانیت، صحت، اور انسانیت نہ محض مایل بہ ترقی ہے بلکہ یہ قابلِ رشک زندگیاں کامیابی کے قدم چوم چکی ہیں۔

پیاری بہن! پھول اتنی ہی دیر خوبصورت اور مشکبار رہتا ہے جب تک شاخِ گل کی زینت رہ کر تتلیوں اور بھونروں کے نرم و سخت پنجوں کی گرفت سے محفوظ و مامون رہے، عورت بھی ایک خوبصورت پھول ہے جس کی جوانی، خوبصورتی، اور عصمت سے کھیلا نہیں جا سکتا۔ خدا کرے نہ تم کسی کی بھابی بن سکو اور نہ میں۔

تمہاری شمسہ۔

شوخ و طرار ادیبہ کے اس بیباکانہ جواب نے رہی سہی آس بھی توڑ دی! یہ تو ممکن تھا اور تھا بھی ایسا ہی کہ میں کسی کی "بھابی" نہ بنوں۔ لیکن یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ شمسہ "رفعت" کی بھابی بن کر میرے دل کی دنیا کو آباد نہ کرے۔ میں سوچ رہا تھا کہ وہ ساعت بھی کتنی دلچسپ گھڑی ہو گی جب میں شمسہ کے معصوم دل کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جیت لوں گا۔ اس کے باغیانہ فلسفہ کو وہم باطل ثابت کر کے اس کی دلکش جوانی، نظر فریب اداؤں اور خشک فلسفہ میں الجھی ہوئی عطر بیز گنھیری زلفوں کے پرچم اپنے شانوں پر لہراتے ہوئے دیکھوں گا اور وہ محسوس کرے گی کہ زندگی، فلسفے، نظریہ اور دوسروں کے تاثرات کا نام نہیں ہے! حقیقی زندگی پُر کیف ارمانوں اور غم فراموش تمناؤں میں مل سکتی ہے۔۔۔ یہاں تک کہ شمسہ مجبور ہو جائے گی اور .... اور ...... کھلکھلا کر ہنس دے گی کہ میں نے اپنے افسانوں میں جو کچھ لکھا تھا وہ محض افسانوی فلسفہ تھا کیا تم کو ان کی صداقت پر سچ مچ یقین آ گیا تھا ...... کبھی .... کبھی .... کبھی!



اسی انکار و اضطرار کے جہنم میں کروٹیں بدلتے ہوئے میں نے شمسہ کے خط کا جواب لکھ دیا۔

مری پیاری بھابی "شمسہ"!

خدا کیلئے مجھے معاف کر دینا تمہارے فلسفہ کا جواب آج میں گستاخیوں سے دے رہی ہوں! اس لئے نہیں کہ لاجواب ہو کر تمہارے سامنے مجبور ہو گئی بلکہ اس لئے کہ تم میں سچ مچ میری بھابی بننے کی صلاحیت موجود ہے! میرے بھائی جان بھی تمہارے ہی جیسے سر پھرے ادیب ہیں! سماج سوسائٹی رسم و رواج ان سب کے قائل، دشمن ہیں!

فرق ہے تو صرف اتنا کہ تم سماج سے خفا ہو کر فطرت سے بھی لڑنا چاہتی ہو، قدرت کے فولادی نظام کو پاش پاش کر دینے پر تلی ہو اور وہ صرف سماج کے آہنی حلقوں کو مسمار و منہدم کرنا چاہتے ہیں۔ تم نے لکھا ہے کہ پھول صرف چمن کی زینت ہی بن کر پھول رہ سکتا ہے میں کہتی ہوں یہ "جنگلی نقوش" اگر ہماری محفلوں میں آکر گلدانوں میں نہ سجائے جاتے تو آج ہم اور آپ اس تحقیقات میں سر کھپاتے نظر آتے کہ آیا یہ پھول نباتات سے تعلق رکھتے ہیں کہ جمادات سے! زمین کے کسی پُر خار پودے کی کائنات ہے یا کسی صحرائی پرندہ کا خوبصورت انڈا ——— !

میری ہونیوالی بھابی! عورت ایک زنگ آلود تلوار رہ جاتی اگر زرہ بعت کی نیام میں مرد اسے اپنی کمر کی زینت نہ بنا لیتا، یہ ماہتابی راتیں یقیناً ایک بیکار چیز ثابت ہوتیں، اگر شبہائے فرقت کی تاریکیاں وجود میں نہ لائی جاتیں۔ بہن معاف کرنا تمہارا وجود محض "قربانیوں" سے دنیا کی رونق نہیں بڑھا سکتا۔ بلکہ تمہیں اس کیلئے مرد کا مرہونِ منت ہونا پڑیگا ـ سمجھیں! کیا تم اب بھی میری چہیتی بھابی بننے کیلئے تیار نہیں ہو ـ

تمہاری "رفعت"

لکھنے کو تو میں نے اتنا سب کچھ لکھ دیا مگر یقین تھا کہ ہٹیلی لڑکی سر پھری دوشیزہ شمشیر بے نیام کی طرح برہم ہو جائے گی عجب نہیں کہ "باغی ادیبہ" تو ہین کا دعویٰ دائر کر دے یا یہ تمام خطوط اپنے ابا جان کے سامنے رکھ دے اور ..... وہ لوگ اپنی پہلی فرصت میں یہاں آن پہونچیں! پتہ لگ گئیں ..... اور پھر نہ جانے کیا ہو؟"

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ اپنی دوسری سہیلیوں میں ان خطوط کا چرچا کرکے میرا مضحکہ اڑائے! اور اس کی سہیلیاں بھی تو ویسی ہی سرپھری انقلابی چھوکریاں ہونگی

جیسی وہ خود ہے .... ہاں ہاں ایک آدھ میری ہمخیال ضرور ہو گی کوئی، اور وہ مجبور کرے گی ہنائے گی سمجھائے گی! شائد ممکن ہے اس کی نوجوان تمناؤں میں کوئی ایسی لہر آجائے جس سے میرے دل کے نغموں کا ساز اس کے دل کی گہرائیوں میں وجد کرنے لگے اور وہ اپنی آرزؤں بھری جوانی کی خودکشی سے باز آجائے۔

سچی محبت دراصل کافر سی کافر حسینہ کے دل کے گہرائیوں میں بھی اپنا گھر کر لیتی ہے یہ ممکن ہی نہیں کہ آگ لگے اور دھوا نہ ہو، ہجر و فراق کی آتشِ فروزاں مجھے خاکِ سیاہ کر رہی ہو اور میرے گھر کو تباہ کر دینے والے چین کی نیند سو رہے ہوں!

اے ننھی ادیبہ! باغی لڑکی! اگر یہ پہاڑ جیسی راتیں میں نے رو رو کر گذاری ہیں تو بھی کیا...... تیرے دل میں بھی یقیناً ایک ایسی درد آفریں خلش پیدا ہو گی ہے جو تجھے بھی چین نہ لینے دیگی، جتنے خیالی خاکے میں نے تیری ان دیکھی صورت کے بنائے ہیں اتنے ہی تصورات تیری آنکھوں میں بھی مچل رہے ہوں گے میں دیکھ رہا ہوں کہ تیرے افسانوں کے فلسفوں میں کتنی نرماہٹ، نظریوں میں کتنی ملائمیت، تحریروں میں کتنا سوز و گداز، اندازِ بیان میں کتنی دھڑکن، الجھن خلش، اور اضطراب پیدا ہوتا چلا جا رہا ہے۔ فطرت سے بغاوت کا طوفانی جذبہ کتنا سرد ہوتا معلوم ہو رہا ہے اب، بالکل ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے تو جو کچھ لکھ رہی ہے وہ صرف افسانہ ہی ہے۔ میں کتنا خوش نصیب اور قسمت والا ہوں کہ میرے جذبۂ دل کا تیر خطا نہ کر سکا ہمالیہ کے پتھر کی چٹان کو میرے جذبۂ دل نے موم کی طرح ملائم بنا دیا ہے۔

اے حسینہ! اگر تو نے میرے کئی خطوط کا جواب نہیں دیا تو کیا ــــــ میں تجھ کو

لکھتا رہوں گا ۔ اور برابر لکھتا رہوں گا یہاں تک تجھے خطوط لکھوں گا کہ ایک دن مجبور ہو کر تو اپنے غلط نظریوں سے توبہ کر لے گی ۔ اپنے باغی فلسفہ کو نقش باطل سمجھ لیگی ۔ اور اپنی ہمراز سہیلی رفعت کی بھابی بن کر میرے دل کی اجڑی ہوئی بستی بسا لے گی جہاں سرف میں ہوں گا ـــــ اور تو ! مچلتی ہوئی تمناؤں کے جھرمٹ آرزو بیدار رہوں گے ؛ اور محبت کی مئے ارغوانی کے چھلکتے ہوئے جام ! کبھی میں تجھے پلاؤں گا اور کبھی تو مجھے ! تو بات بات پر روٹھے گی میں تجھے منانے کیلئے تیرے حریم ناز کی جبہ سائی کروں گا اور تجھے منا لوں گا ۔

اے لڑکی تیری نسائیت میری محبت کا کھلم کھلا اقرار نہیں کر سکتی میں خوب سمجھتا ہوں عورت کی محبت کا راز اگر افشا ہو جائے تو محبت کی حلاوت میں فرق آ جاتا ہے !

تو نہ لکھ ! یہ لڑکی نہ لکھ ! مجھے اب تیرے خطوط کا انتظار نہیں ـــــ بلکہ خود تیرا انتظار ہے ؛

جن دنوں میری پرسکون زندگی پر شمسہ کی جدائی کے فراق آگیں بادل منڈلا رہے تھے اور میری ساری ساری راتیں آنکھوں میں کٹ رہی تھیں شمسہ کے رومان پرور افسانے ادب اور افسانہ نگاری کی دنیا میں جگ مگ جگ مگ کر رہے تھے ، میں اس کو رفعت کی " بھابی " بنا نے کیلئے خط پر خط اور وہ بھی بلا انتظار جواب لکھ رہا تھا کہ میرے ایک بچپن کے ساتھی اور کلاس فیلو قیوم صاحب کا ایک خط بہت دنوں کے بعد آ پہنچا لفافہ میں ایک تصویر تھی ایک اچھے خاصے سٹوڈنٹ اور ہنستے کھیلتے ملاحی کا زندہ جاوید اسکیچ ، ودھ فاسٹ جیسی گھنی داڑھی ، ہرا بھرا چہرہ ، ڈوبی ہوئی آنکھیں ، ستواں ناک ، بڑے بڑے کان ، چوڑا چکلا سینہ ! ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے کسی کانفرنس کا

خطبہ صدارت پڑھتے پڑھتے ادھورا چھوڑ کر چلے آئے ہیں۔ خط میں لکھا تھا۔

میرے پیارے .... سلام مسنون

آج بہت دنوں کے بعد تمہیں یہ خط لکھ رہا ہوں میرے ایک ادیب دوست رضوان کمالی بڑے پُر لطف آدمی ہیں، ایک عرصہ سے "مس شمسنہ جمیل" کے فرضی نام سے افسانے لکھ رہے ہیں جو بہت مقبول ہو رہے ہیں کچھ دنوں سے ایک محترمہ رفعت احسان علے ...... بنارس سٹی! رضوان کو اپنے بھائی کی شریک زندگی بنانا چاہتی ہیں ذرا پتہ لگاؤ! یہ محترمہ کون صاحبہ ہیں اگر واقعی وہ خود میرے دوست رضوان کی شریک حیات بننا پسند کریں تو بسم اللہ! یہ حاضر ہیں، رضوان کی تصویر بھیج رہا ہوں دیکھ لو، منّت مانی ہے کہ شادی ہو جانے پر داڑھی منڈوا دیں گے، کیا تم میرے ساتھ مل کر یہ ثواب دارین حاصل کرنے میں میرا ہاتھ نہ بٹاؤ گے۔! امید ہے کہ تم خیریت سے ہو گے۔

تمہارا اپنا .... قیوم

نیچے کی سانس نیچے! اوپر کی اوپر! حیرت واستعجاب سے "اُس ننھی ادیبہ" کی تصویر دیکھ رہا تھا۔ داڑھی، دوشیزگی، عصمت، عفت، محبت، ہجر و فراق کتنے تصادِ زاویۂ نگاہ جھپکتے ہی بن اور بگڑ رہے تھے اور میں سر کھجا کر سوچ رہا تھا کہ الٰہی اب میں کیا کروں ....!"

ایک مکان کی خاطر

خواجہ آتش علیہ الرحمۃ کا ایک شعر ہے کہ

موت مانگوں تو رہے آرزوئے خواب مجھے

ڈوبنے جاؤں تو دریا ملے پایاب مجھے

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خواجہ مرحوم نے یہ شعر پہلی جنگِ عظیم سے پہلے کہا تھا۔ یعنی کہ جب آتش جواں تھا ـــــ ورنہ فی زمانہ، خودکشی کا سب سے آسان طریقہ یہ ہے کہ جس شخص کو موت مانگنے پر بھی نہ آتی ہو تو وہ فوراً کانپور، لکھنؤ، لاہور اور کلکتہ وغیرہ ایسے بڑے شہروں کی طرف ہجرت کر جائے ـــــ اگر خدانخواستہ ریلوں میں انسانوں کی ریل پیل سے بچ بچا کر کہیں بخیریت ان شہروں میں پہنچ گیا تو بس سمجھ لیجئے کہ نہ محض "جیون کا سارا دکھ" دور ہو جائیگا بلکہ یہ نوبت پہونچ جائیگی بقول غالب ـــ

نہ کبھی جنازہ اٹھتا نہ کہیں مزار ہوتا

ہوا یہی کہ لکھنؤ پہونچکر مکان کا مسئلہ ایسا الجھ کر رہ گیا کہ الٰہ تیری پناہ! ایسے ایسے دوستوں، عزیزوں اور رفیقوں نے آنکھیں پھیریں ـــــ جن سے یہ قطعی وعدہ ہو چکا تھا۔ کہ اگر تم ہم سے پہلے مر جائیں تو ہماری قبر پر ایک عالیشان مقبرہ بنا دینا ـــــ اور اس پر

ایک کتبہ بھی لگا دیا ـــــ مگر جب مکان سے متعلق ان سے کوئی بات کیجئے تو آپ بھی ہنسنے لگتے ہیں لوگ ـــــ!

" بھئی ـــــ مکان ـــــ مکان کا سوال تو بڑی ٹیڑھی بات ہے بھئی۔

ـــــ ہاں غریب خانہ حاضر ہے ـــــ!

" ہی مکان کیلئے آپ کب سے یہاں ... شہر میں ـــــ ... ہے لکھنؤ ـــــ اجی تو سمجھئے مکان ملنے کی بات ہی بھلا دیجئے۔

میں کہتا ہوں قبرستانوں میں کرایہ کی قبریں بھی ... ملتی ہیں ـــــ آپ کہتے ہیں مکان ملے ـــــ!

اچھا صاحب! کچھ اور باتیں کیجئے۔ ... مکان سے متعلق ...

" اگر ایسی ہی تکلیف ہے ـــــ تو ـــــ تو دس پانچ دن کیلئے ... اسٹور روم میں آجائیے ـــــ اور کیا عرض کروں!

" میں خود بھی پریشان ہوں ـــــ میرے ایک عزیز ... دو مہینے سے ہوٹل میں پڑے ہیں ـــــ خالص عزیز ـــــ بالکل تنہا ہیں۔

" کرایہ کا کوئی سوال ہی نہ تھا ـــــ اگر میرے قریب میں کوئی مکان خالی ہوتا ـــــ آپ فوراً آسکتے تھے!

ادھر میری یہ حالت ہو رہی تھی کہ سوتے جاگتے ہر وقت یہی خیال ستاتا رہتا کہ کوئی مکان مل جاتا تو اپنی جگہ بیٹھ کر کچھ کام کر سکتا ـــــ!

اس طرح دوسروں کے مکانوں میں پڑے پڑے زندگی کا مذاق جیرن ہوتی چلی جا رہی ہے! کوئی ملنے والا عزیز دوست ایسا نہ تھا جس میں دیوانہ وار بھی نہ دوا...

نہ کرنکہ ۔۔۔۔! بھائی اگر تمہاری طرف کوئی مکان خالی ہو تو دلوا دو ۔۔۔۔ کرایہ جو کچھ ہو گا

دیدوں گا۔!

"ایک کمرہ ۔۔۔ غسلخانہ ۔۔۔ اور پائخانہ بس اتنا ہی کافی ہے ۔!

"سخت تکلیف ہے بغیر مکان کے ! اجی تم سے یہ بھی نہیں ہوتا ۔۔۔۔ اتنا

کہ ایک مکان ہی تلاش کر دو! ۔

اجی ۔۔۔۔ ملاجی! آج جمعہ کی نماز کے بعد! آپ ہی اعلان کر دیجئے

کہ مکان تلاش کر دینے والے کو پانچ روپیہ نقد انعام دیا جائیگا۔ اکثر تو یہ نوبت آجاتی کہ جب

کسی نئے صاحب سے شرفِ تعارف حاصل ہوتا تو میں یہ کہنے کے بعد کہ ۔۔۔۔

آپ سے مل کر بڑی خوشی ہوئی ۔۔۔۔ بہت ہی ۔۔۔ ہاں اگر آپ کی طرف کوئی

مکان خالی ہو تو بتائیے ۔۔۔ مکان کی سخت تکلیف ہے مجھکو ۔۔۔!

ظاہر ہے کہ اس قسم کی بدحواسانہ باتوں کا جواب ہر سمجھدار آدمی یہی دے سکتا ہے!

کہ! مکان خالی تو نہیں ہے ۔۔۔۔ ہاں اگر خالی ہوا ۔۔۔ تو اطلاع دوں گا ۔۔۔!

مکان کی تلاش و جستجو میں، میں اسقدر دیوانہ ہو رہا تھا کہ یار لوگوں نے بلا

سوچے ہوئے کہ ۔۔۔!

اے دیکھنے والو مجھے ہنس ہنس کے نہ دیکھو

تم کو بھی محبت کہیں مجھ سا نہ بنا دے

میری گھبراہٹوں سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے نہایت ہی خطرناک قسم

کا ایک پروگرام بنا ڈالا ۔

ہوا یہ کہ بشیر صاحب میرے تقاضوں سے بہت تنگ آچکے تھے ــــــ ــــ اور جب ان سے ملاقات ہوتی بطور یاددہانی مکان کے متعلق ضرور یاد دلا دیتا ــــ ــــ ایک دن آئے کچھ گھبرائے سے کہنے لگے!

مل گیا مکان ــــ لاؤ مٹھائی کھلاؤ! فوراً ــــ ابھی اسی وقت!

اس شاندار کامیابی پر قریب قریب میں اچھل ہی پڑا تھا۔ ــــ اور فرط انبساط سے بشیر سے چمٹ ہی جانا چاہتا تھا! دونوں آنکھوں میں خوشی کے آنسو چھلک آئے تھے! پوچھا میں نے:۔

کہاں ــــ کہاں! جلدی بتاؤ جلدی!

ابھی میں کہتا ہوں ــــ دیر ــــ دیر کیوں کر رہے ہو! کپڑے پہن کر فوراً جاؤ! بشیر کہنے لگا! مجھے تو چھٹی نہیں ہے۔ آفس جا رہا ہوں! تم فوراً چلے جاؤ! خاں صاحب سے کہنا وہ فوراً ہی دکھادیں گے گھر ــــ!

خاں صاحب سے کیا کہوں گا ــــ؟ میں نے پوچھا!

بس یہی کہنا ــــ کہنا کہ جس مکان کے بارہ میں بشیر آپ سے کہہ گئے ہیں۔ دکھا دیجئے ــــ باقی سب کچھ میں خود طے کر دوں گا ــــ!

خوشی کے مارے میرا برا حال تھا۔ یہاں تک کہ میں نے گھبراہٹ میں محض قمیص کے اوپر بنیان ــــ اور پھر شیروانی پہن لی! بشیر کو دفتر جانے کی جلدی تھی ــــ ــــ اور وہ جانے کیلئے بیقرار تھا، یکایک مجھے خیال آگیا!

ہاں! ــــ یہ تو بتایا نہیں ــــ کہ مکان ہے کہاں ــــ اور خاں صاحب کا نام ــــ!

بشیر کہنے لگا۔

لاحول ولاقوۃ! میں کہتا ہوں تم بھی! بس کیا کہوں! امجی خاں صاحب کو نہیں جانتے!
وہی جو خیالی گنج کی موڑ پر رہتے ہیں۔!

بہت عالیشان مکان ہے ان کا۔

کیا نام بتایا۔ میں نے پوچھا بشیر سے!

کہہ تو رہا ہوں! کسی سے پوچھ لینا ——— عبدالصمد خاں صاحب شاہجہاں پور کے رئیس اعظم ہیں ——— نا؟

بشیر یہ سب کچھ بتا کر جلدی سے دفتر روانہ ہو گیا ——— اور میں خیالی گنج کی طرف! راستے بھر سوچتا رہا! کم از کم چھ کمرے اور ایک ڈرائنگ روم تو ضرور ہوگا ——— ایک کمرے میں سامان وامان ——— ایک کھانے کا کمرہ ہوا۔ ایک کمرے میں لکھنے پڑھنے کا سامان ——— باقی بچا ایک کمرہ اس میں سونے کا انتظام کر لیا جاوے گا ——— اور ڈرائنگ روم! ہاں وہ تو علیحدہ چیز ہے! اب رہا باورچی خانہ۔ تو دراصل میں اس گرانی کے زمانہ میں ذرا اس کے خلاف ہوں کہ نوکر رکھیں اور لکڑی کا دھندا پھیلایا جائے!

میں ہوا اب پیچھے! نہ دھوئیں کا جھگڑا ——— نہ راشننگ کا کھٹکا! ——— لیکن ——— لیکن ذرا ان ہندوستانی مکانات کے پاخانے اور غسلخانے کچھ ایسے ہی ویسے ہوتے ہیں ——— خیر دیکھا جائیگا۔ جب رہوں گا رفتہ رفتہ سب ٹھیک کرا لوں گا! بعد میں ——— تھوڑا تھوڑا کر کے درست ہوتا رہیگا ——— یہ بجلی کے بلب! اتنے مہنگے ہو گئے ہیں کہ توبہ! ——— ٹھیک ٹھاک نہ ہوئے تو وہ بھی بدلوانا پڑیں گے ——— غالباً سوئچ وغیرہ تو بڑے اچھے لگے ہوں گے ——— شاہجہاں پور کے رئیس اعظم ——— پھر بھلا [illegible] ——— جن کے ہاں ——— [illegible] ناک [illegible] پر بیٹھنے تو ———!

اب سوال یہ ہے کہ جلدی سے جلدی کب تک خالی کر دیں گے وہ مکان کو ـــــــ! بشیر کہتا تھا کہ اسی ہفتہ اُن کے نیچے چلے جائیں گے آپ اطمینان سے منتقل ہو جائیے گا ـــــــ اپنا گھر اپنا ہی گھر ہوتا ہے دراصل! دوست احباب کے یہاں پڑا رہنا حقیقتاً بڑی بیحیائی ہے ـــــــ اور بکی بھی بہت! نہ کسی ملنے والے کو بُلا سکتے ہیں ـــــــ نہ اطمینان سے سو سکتے ہیں ـــــــ نہ کچھ ـــــــ نہ کچھ! پرائی جگہ ـــــــ پرایا ماحول! بچے شرارت کر رہے ہیں اور ہم ہیں کہ دو تھپڑ بھی نہیں مار سکتے ان کو ـــــــ ریڈیو بج رہا ہے۔ غزلیں سنتے سنتے جی گھبرا گیا ہے ـــــــ مگر زبان سے اُف نہیں کر سکتے!

فی الحال ـــــــ فی الحال ـــــــ سب فرنیچر کرایہ پر منگاؤں گا ـــــــ اس میں کون سا عیب! بڑے بڑے لوگ کرایہ کے فرنیچر پر ساری زندگی بسر کر لیتے ہیں ـــــــ بس دو چار مہینے میں دھیرے دھیرے سارا سامان منگوا لوں گا! بشیر بھی کتنا اچھا آدمی ہے! مخلص دوستوں کی بھی اس زمانے میں کوئی کمی نہیں ـــــــ!

"خیالی پلاؤ" پکاتے ہوئے ہم خیالی گنج پہونچے ہی تھے کہ بشیر کی بتائی ہوئی عمارت مسکرانے لگی! اچھا خاصہ یک منزلہ نہیں دو منزلہ مکان تھا ـــــــ تھا تو مشرقی طرز کا بنا ہُوا مگر دراصل بہت ٹھکانے کا خوبصورت بنا ہُوا تھا لب سڑک! سامنے برآمدے میں ایک دراز قامت ادھیڑ عمر ـــــــ مرد مسلمان فتحپوری مونڈھے پر بیٹھے ہوئے حقّے سے شوق فرما رہے تھے۔ گھنی گھنی مونچھوں کے چاروں طرف خوبصورت داڑھی ـــــــ بھوئیں تنی ہوئیں۔ بڑی بڑی آنکھیں!

سلام علیک کہکر، میں نے پوچھا، مجھے عبدالصمد خاں صاحب سے نیاز حاصل کرنا ہے!

جی ـــــــ مجھ سے! فرمائیے ـــــــ فرمائیے! وہ بولے!

بشیر صاحب نے۔ میں نے برابر پڑے ہوئے مونڈھے پر بیٹھتے ہوئے کہا: بھیجا ہے انہوں نے!

بشیر صاحب — کون! وہ کہنے لگے! اچھا — اچھا — جی ہاں — یہی مکان ہے وہ!

بجا فرمایا تو۔ میں نے ادب سے عرض کیا۔ بہت ہی اچھی ہے نہایت کھلی ہوئی جگہ۔ سب سے الگ!

مجھے۔ خان صاحب بولے۔ ایسے مکانوں سے سخت نفرت ہے [illegible] خیال رکھا۔ چاہیے مکان [illegible] ہونا چاہیے

[illegible] میں [illegible] ہیں۔ [illegible] نے پوچھا۔

[illegible] جب تکلیوں پر بوجھ کر تیلنے لگے۔ — اور دو اوپر — [illegible] — ایک لوگوں کا کمرہ —!

[illegible] — بلکہ میں نے کہا! ضرورت سے بھی زیادہ! سچ پوچھیے تو [illegible] کہ یہاں ایک سلیقہ مند آدمی کا کام بھی نہیں چل سکتا —!

جی ہاں! خان صاحب نے حقے کا کش کھینچتے ہوئے جواب دیا! [illegible] ہے! اس لئے گھومتے ہیں — اور اب تو لڑائی کی وجہ سے [illegible] ہی نہیں ملتا — ورنہ ابھی تو یہ ناممکن ہے — آپ کہیں کہ [illegible] سب کچھ جیسے کا جیسا ہو جائیگا۔ میں نے کہا۔ آج کل [illegible]

[illegible] خان صاحب [illegible] ہوئے بولے۔

جو مزدور چار آنے میں ملتا تھا! آپ سمجھیں ! ایک روپیہ میں بھی اب نہیں ملتا ——— اور میں تو کہتا ہوں کہ اگر آدمی مل بھی جائے ——— تو بھی کیا ——— جب جلانے کے لئے لکڑی نہیں ملتی ـ مکان بنانے کیلئے کہاں سے مل جائیگی ——— اس کا نقشہ ! ایک بنگالی انجنیئر میرے دوست تھے انہوں نے بنایا تھا ——— آپ سمجھیں !ان بنگالیوں کو انجنیئری میں بڑا ہی ملکہ ہوتا ہے !

اگر زحمت نہ ہو ——— میں بولا ، تو ذرا تکلیف کر کے دکھا دیجئے گا ——— واقعی نہائیت ہی لاجواب نقشہ ہے اس مکان کا ! بس آنکھوں میں اس کی تصویر کھپی جاتی ہے ـ!

جی ہاں ——— چلیئے ! خاں صاحب نے ملازم کو آواز دے کر کہا ـ" ذرا اندر پردہ کرا دینا !

وہ بدستور حقّے سے شوق فرما رہے تھے بلا شرکتِ غیرے ! نوکر نے آکر کہا کہ پردہ ہو گیا ——— آگے آگے خاں صاحب اور پیچھے پیچھے میں ! دونوں اندر پہنچے ! خانصاحب نے قلعہٗ دلّی کے گائڈ کی طرح کہنا شروع کیا !

" اس کمرے کا طول ۳۰ فٹ اور عرض ۲۰ فٹ کے قریب ہے ! دیکھیئے نا ——— ! میں نے کتنی مناسب جگہ پر روشندان لگوائے ہیں ـ

جی ہاں ! بہت ہی مناسب ! میں نے خاں صاحب کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے جواب دیا ! کیا کہنا صاحب ——— مجھے بھی عمارتوں کا بڑا شوق ہے بلکہ یہ سمجھ لیجئے کہ میں نے جو نیا مکان بنوایا ہے اس کا پورا نقشہ خود میرا بنایا ہوا ہے !

آپ سمجھیں " خاں صاحب کہنے لگے " یہ چیز آپ کسی دوسری عمارت میں نہ پائینگے ـ جو یہاں نظر آ رہی ہے آپ کو ——— یہ جالی جو دروازوں کے

اوپر بنی ہوئی ہے خاص میری بنائی ہے!

سبحان اللہ! سبحان اللہ! کیا کہنا ۔ میں نے کہا، کس قدر نفاست کیساتھ تراشی ہے۔ یہ جالی آپ نے! ماشاءاللہ ۔ ایک ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کا جھونکا جالی کے اندر سے ہم لوگوں تک آ ہی گیا۔

جی۔ یہ ڈرائنگ روم ــــ ترکی وضع کا ہے: اور آتشدان ــــ آپ سمجھیں بالکل پرشین آرٹ ہے!

آتشدان تو خاص ایران کی چیز ہے نا! ــــ خاں صاحب کہتے چلے جا رہے تھے۔

ان غسل خانوں میں میں نے ایک اور جدت کی ہے ــــ ایک قطرہ پانی ان کے اندر نہیں ٹھہر سکتا ــــ دراصل مجھے نہانے کا بڑا ہی شوق ہے، آپ سمجھیں ــــ اگر میں روزانہ نہ نہاؤں تو بس ۔ .... ؟

جی ہاں ــــ جی ہاں ــــ کافی ہے میں نے جواب دیا ــــ!

خود میری بھی یہی عادت ہے بچپن سے۔ ہفتے میں تو دو تین بار نہانا ضروری کیا بلکہ اشد ضروری ہے ورنہ یوں روز ہی ــــ دراصل نہانے سے انسان کی صحت بہت اچھی رہتی ہے۔

ہندوستانی پائخانوں سے میں سخت عاجز ہوں! خاں صاحب نے پائخانہ کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔ آپ سمجھیں ــــ پائخانے جس قدر صاف انگریزوں کے یہاں ہوتے ہیں ــــ بس اسی طرز کا یہ بنا ہوا ہے! ــــ لیکن پاٹ سے مجھے اللہ واسطے کا بیر ہے!

بالکل ٹھیک فرمایا آپ نے خاں صاحب ۔ مجھے تو پاٹ پر بیٹھنا ہی ناگوار ہے!

میں سنے ہاں میں ہاں ملادی!

صحن کی کشادگی پر تھوڑی دیر مباحثہ ہوتا رہا ـــــ اور میں نے کسی جگہ پر یہ ثابت نہیں ہونے دیا کہ میں علم العمارات کا ماہر نہیں ہوں ۔ اندیشہ یہ تھا کہ اگر خاں صاحب نے کہیں یہ سمجھ لیا کہ اس شخص میں مکان ٹھکانے سے رکھنے کی صلاحیت نہیں ہے تو قطعاً وہ اپنا مکان مجھے کرایہ پر نہ دیں گے ـــــ!

میں اور خاں صاحب اسی قسم کی باتیں کرتے ہوئے باہری برآمدے میں آ چکے تھے! میں نے مونڈھے پر بیٹھتے ہوئے پوچھا ۔!

آپ کے بچے اسی ہفتہ وطن جا رہے ہیں ـــ! خاں صاحب نے اطمینان سے حقّہ کی نے ہونٹوں میں دباتے ہوئے جواب دیا ـــ!

"جی ہاں ـــــ یہ لوگ تو غالباً پرسوں دیرہ سے چلے جائیں گے ـــ! اور میں شائد اتوار تک جاؤں ـــ! آپ سمجھیں آج کل سفر کرنا" اور کرایہ"۔ میں نے بات کاٹتے ہوئے پوچھا ۔ کیا ہوگا ـــــ!

انٹر کلاس کا ـــــ خاں صاحب نے حقّہ کا کش کھینچتے ہوئے کہا ـــــ کوئی تین روپیہ" ـــــ میری آنکھیں کھُلی کی کھُلی رہ گئیں ـــــ

جی ہاں! ـــــ آپ سمجھیں ـــــ مگر صاحب! خاں صاحب بولے! آجکل کا انٹر تھرڈ سے بھی بدتر ہوتا ہے ـــ!

بس کچھ نہ پوچھئے! میں نے جھینپ کر جواب دیا ـــ آج کل سفر کرنا ڈوب مرنے سے زیادہ مشکل ہے کم از کم! ـــ لیکن کچھ آپ نے بتایا نہیں ـــــ کرائے کی بابت!

کیسا کرایہ ـــــ خاں صاحب چونک پڑے:

جی ۔۔۔ اسی مکان کا ۔۔۔ کیا ۔ کر ۔ کر ۔۔ آپ یہ ہوگا ۔۔! میں نے
ادب کیساتھ عرض کیا ۔

" آپ سمجھیں ۔۔۔ " خاں صاحب نے حقہ کی نے کھڑی کر دی ۔ کیا
بک رہے ہیں آپ ۔۔۔ کا ہے کا کرایہ پوچھتے ہیں ۔۔۔ !

" اسی مکان کا ۔۔۔ میں نے نہایت لجاجت سے کہا ۔ !

" اس مکان کا ۔۔۔ آپ سمجھیں ۔۔۔ آپ کا دماغ تو نہیں خراب ہوگیا
ہے کہیں ۔۔۔ یہ مکان آپ کے باپ کا ہے جس کا کرایہ پوچھ رہے ہیں ۔

" خاں صاحب ایکدم سے بپھر پڑے " آپ چلے جائیے فوراً یہاں
سے ۔۔۔ ورنہ حواس درست کردوں گا ۔۔۔ آپ سمجھیں ۔۔۔ !
آپ جانتے نہیں میں نہیں ہوں عبدالصمد خاں ۔۔

خاں صاحب کی اس برہمی پر میں بوکھلا گیا ۔۔۔ میری کچھ سمجھ میں
نہیں آتا تھا کہ خاں صاحب کیا کہہ رہے ہیں ۔۔۔ اور مجھے کیا کہنا چاہیئے ۔ پھر
خاں صاحب کے غصہ کا یہ حال تھا کہ منہ سے کف جاری ۔۔۔ اور اگر میں کہیں چوں [illegible]
[illegible] ہیں ۔۔۔ تو آپ سمجھیں کہ وہ اچھی خاصی مرمت ہی کر ڈالیں میری ۔ گھبرا کر
بالکل [illegible] ۔۔۔ بھاگا ۔ !

سید حامد شبیر کے دفتر پہونچا تو معلوم ہوا کہ صاحبزادے ایک ہفتہ کی چھٹی پر اپنے
وطن گئے ہوئے ہیں ۔ کئی دن تک طبیعت بہت پریشان رہی ۔ تیسرے دن
وحید کی ۔۔۔ جب ملاقات ہوئی تو معلوم ہوا کہ شبیر نے خاں صاحب سے یہ کہا تھا کہ میں اسی طرز
[illegible] مکان بنوانا چاہتا ہوں ۔۔۔ برملکرم آپ میرے دوست کو دکھا دیجئیگا ۔ وہ اسی
[illegible] دیں گے ۔۔۔ وحید کہنے لگے ۔۔۔ شاید شبیر مکان تمہارے لئے بنوانا چاہتا

۔۔۔ ۔۔

"ٹکاہیاں"

ایک دھیلے کے مٹر ـــــ دھیلے کے کچالو!
ڈبل کی پھلکیاں ـــــ دہی کی!
ایک پیسے کے دہی بڑے دینا ـــــ مجھے بھی!
میں کتنی دیر سے کھڑی ہوں چندرو چاچا۔ مجھے بھی ـــــ ڈبل کے کچالو خوب کھٹے کر دینا ـــ!

"چندرو چاچا" نے گھنی مونچھوں سے پھنکار مارتے ہوئے نظر اٹھا کر دیکھا ـــــ تو جے شری کھڑی تھی! مٹر، کچالو، دہی کے بڑے! کھٹ مٹھی پھلکیاں ـــــ اور بناسپتی گھی میں تلے ہوئے "شیو" جیسے اس کے منہ میں آئے جا رہے تھے! کھٹاس کے ذائقے سے اس کے منہ میں پانی کے فوارے چھوٹ رہے تھے! پھیکا پھیکا منہ بمبے کے نیچے رکھے ہوئے گلاس کی طرح بار بار تھوک سے بھر جاتا ـــــ اور وہ بے چین ہوئی جا رہی تھی۔

چندرو چاچا کو وہ چندرو چاچا بہت دنوں سے کہتی تھی جب سے لچھمن اسے شیوپور

سے بھگا کر لایا تھا! لچھمن سے اس کو کچھ پریم تو تھا نہیں ـــــ مگر ہوا یہ ایک دن کہ جب وہ صبح صبح گھاٹ پر کپڑوں کی لادی لئے جا رہی تھی: بہت میلے کچیلے کپڑے! نندو دادا کی دھوتی! اسرجو ماما کا انگوچھا! ـــــ اور کشن کا جانگیا! جو وہ لام سے بھاگتے وقت اپنے ساتھ لایا تھا ـــــ جس پر ایک دفعہ جب اس نے دیکھا تھا تو نہ جانے کیسے دھبے پڑے ہوئے تھے ـــــ رام جانے کیسے! اب تو وہ پکڑ لیا گیا ـــــ اس کا جانگیا اب کرن بابو کے ہاتھ لگ گیا جو شہر میں پڑھتے ہیں ـــــ گرمیوں کی چھٹیوں میں پار سال کی طرح جب اس سال آئے تھے تو ایک دن گھاٹ پر خود گئے تھے مجھ سے کہنے لگے ـــــ کہنے لگے ـــــ کہ جے شری تو بڑی سندر ہے! میں نے کوئی جواب نہ دیا تو وہ اپنی ایک دھوتی دے گئے کہ کھرے گھاٹ دھو کر جلدی سے دیدو ـ اس دھوتی میں ایک پانچ روپیہ کا نوٹ بندھا تھا ـــــ! وہ چلے گئے میں جب دوپہر کو دھوتی لیکر گئی تو یہ نوٹ بھی لیتی گئی ـــــ پر انہوں نے لیا نہیں!

لچھمن آگے آگے جا رہا تھا ـــــ اور میں پیچھے پیچھے! کچھ فاصلے سے چل رہی تھی! لچھمن کا گٹھر بہت بھاری تھا مجھے دیکھ کر کہنے لگا ـــــ!

جے شری ـــــ ذرا سہارا دینا ـــــ تھک گیا ہوں ـــــ!

میں نے اپنی گٹھری اتار کر زمین پر رکھ دی اور اس کو سہارا دینے لگی ـــــ اچانک لچھمن کا گٹھر دور جا کر گرا اور میرے اٹھے ہوئے ہاتھ اپنی جگہ پر رہ گئے ـــــ لچھمن نے بھینچتے ہوئے کہا! تو بڑی جالم ہے! اسریا ـ! میں ایسا گھبرا گئی کہ کچھ کہہ نہ سکی۔

دوسرے دن سارے گاؤں میں ہلہ ہو گیا کہ لچھمن نے جے شری......

پچھلی کمیٹی باندھ کر پنچایت کا کھانا لگا دیا! لچھمن کہنے لگا ـــــ ایک دن کہ اب تو میری ساتھ بدنام ہو ہی چکی ہے ـــــ چل کہیں بھاگ چلیں ـــــ یہ جیون آنند میں کٹ

جمائے گا، بڑے آنند میں ——!

یہی ہوا بن کہے سُنے ایک دن رات کو اندھیاری چھائی ہوئی تھی چھمن نے جب سیٹی بجائی تو میں دبے پاؤں باہر نکل کر اس کے ساتھ ہو لی —— دونوں چپکے چپکے چل رہے تھے —— ذرا سے کھٹکے پر ٹھہر جاتے! سویرا ہوتے ہوتے ایک باغ میں جب پہنچے تو اس نے مجھے ایک گھنی جھاڑی کی اوٹ میں بٹھا دیا! دن بھر وہ میری پاس بیٹھا رہا! بڑا پریم آنند تھا —! ایسا جیسا اس سے پہلے کبھی نہ دیکھا —— شام کو اسٹیشن پہنچے، اور وہاں سے شہر!

ایک چھوٹی سی کوٹھری لیکر ہم دونوں بہت دنوں تک رہتے رہے! پھر ایک دن سپاہیوں نے پکڑ لیا دونوں کو! مقدمہ چلا۔ چھمن کو سزا ہوئی —— اور میں یہاں پہنچ گئی!

اس نندو چاچا کو سبھی چاچا کہتے ہیں۔ اس لئے میں بھی کہتی ہوں —— پر ایک دن اس نے بھی وہی بات کہی جو سب کہتے ہیں —— میں نے کہا چندرو چاچا —— اگر تم نے اب کی ایسی بات کہی تو اپنے حوالدار سے کہہ دوں گی —؟

بڑی دیر تک کھڑے کھڑے وہ یہی سب کچھ سوچتی رہی!

چندرو جلدی جلدی مٹر کچالو کے دانے بنا کر بڑھاتا چلا جا رہا تھا —— جنتری اگرچہ بہت پہلے آچکی تھی۔ لیکن اسے وہ دیر ہی میں سودا دیتا تھا —!

سارے حلقے میں چندرو چاچا کی چاٹ بہت مشہور تھی —— اور کھٹ مٹھی پھلکیاں تو اتنی زیادہ کہ اس سے زیادہ کوئی دوسری چیز نہ بکتی!

چار چار آٹھ آٹھ آنے کر کے رات بھر میں یہ سب کتنا کما لیتی تھیں —— کوئی انتہا نہیں! دو دو روپیہ کے پیسے جمع ہو جاتے تھے! اگر تاڑی اور شراب پی پی کر

یہ سب گاہکوں کے لئے قہقہے گالیاں ـــــ اور شگفتگی پیدا نہ کریں تو بڑی دولت جمع ہو جاتی ــــ مگر سوال تو یہی تھا کہ گاہکوں کو لبھانے کیلئے قہقہے اور مسکراہٹیں پیدا بھی ہوتیں تو کیسے جب تک شراب اور تاڑی کا نشہ بدمست نہ کر دیتا ـــ یہ ایکٹنگ بھی تو ممکن نہ تھی ـ

چندرو کا خوانچہ خالی ہو چلا تھا ـــــ میلی کچیلی ساریوں اور چہروں میں اپنی ہوئی دق کی بیماریاں چھپاتی ہوئی اپنی غلیظ کوٹھریوں میں [illegible] رہتی تھیں ـ جن کے اندر ٹاٹ کے پردوں کے پیچھے ـــ کچھ [illegible] اندھیری رات کے سناٹے میں [illegible] ـــــ وہ سوچتے ہوں گے [illegible] اس میں کیا کہ زیادہ دام خرچ کر کے گناہ کیا جائے ـ!
پیسے بھی زیادہ خرچ ہوں اور بات وہی! پھر گناہ تو بہر حال ہے اتنا ہی ہوگا ـــ!
ابھی بھی انہیں ٹاٹ کے کثیف پردوں کے پیچھے بچھی ہوئی جنگلہ کھاٹ پر ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے:

پھوٹے نہ دیا ـــ جو بنا ـــ پٹ گاری دیے ہو!
بہکے بہکے [illegible] میں تاڑی کے نشہ میں بدمست بشیر اور اس کے نگھی [illegible] ـ [illegible] رنگ [illegible] پہ بیٹھے بیٹھے ان کے چوتڑوں میں خسم پڑ بات ـــ پونی کی تاڑی [illegible] بیڑی پان ـــ اور چار آنے؟ بس یہ سمجھو کل تو آنے میں زندگی کا مزا مل جاتا ہے! مزا ـ
ڈھاک کے پتوں پہ چار آلو کاٹ کر چندرو نے کھٹائی اور مرچ ملاتے ہوئے کہا:

ـــ نہ جاؤ ـــ مہارانی ـــ ہم پہ بھی دیا کرو ـــ؟

چندر و نے ـــــ ترچھی نظروں سے دیکھا ـــــ جے شری دو نے ـــــ
چمٹی ہوئی تھی۔

چاٹ مصالحہ کی! چندر و نے ایک تان لگائی۔ اور خالی خوانچہ اٹھا کر
چل دیا ـــ

جے شری کا منہ مرچ کی تیزی سے بھنا اٹھا! گلی میں لگے ہوئے بمبے کے
پاس پہونچکر اس نے چلو بھر بھر کے پانی پینا شروع کر دیا ـــــ نہ جانے وہ کتنا پانی
پینا چاہتی تھی!

"کیا سارا بمبا پی جائیگی" چمپا نے میلی ساری میں صابن رگڑتے ہوئے کہا؟
جے شری نے ہاتھ روک لیا! جیسے اسکو خود بخود خیال آگیا۔ کہنے لگی!
ہاں ری ـــ یہ تو بتا میں نے ایک بات سُنی ہے! ـــــ سنا ہے کہ تو
میرے حوالدار پر ڈورے ڈال رہی ہے!

"کون کہتا ہے" چمپا نے پوچھا!
کوئی کہتا ہے! "وہ بولی" تو بتا کیا یہ جھوٹ ہے؟
اگر جھوٹ نہیں ہے تو "چمپا نے جواب دیا" تو سچ بھی نہیں!
کیا مطلب؟ جے شری نے کہا!
مطلب یہی "چمپا بولی" وہ تیرا حوالدار آیا تھا اس دن۔ کہتا تھا کہ تو مجھ
سے صلح کرلے!

پھر ـــ پھر ـــ تو نے کیا جواب دیا ـــ جے شری نے پوچھا!
"میں نے کہا ـــــ وہ کہنے لگی! کہ ایک میان میں دو تلواریں نہیں رہ
سکتیں ـــــ!"

حوالدار نے کہا ـــــ جے شری کے کان بجنے لگے! جب بچھن کے ساتھ وہ پکڑ کر تھانے لیجائی گئی تو بچھن حوالات کی کوٹھڑی میں بند کر دیا گیا ـــــ اور حوالدار اسے اپنے کوارٹر میں لے آئے! یوں تو رات کو تھانے کے سبھی سپاہی باری باری آئے ـــــ مگر حوالدار نے قول کیا تھا کہ وہ زندگی بھر نباہ دیگا ـــــ اپنے گھر میں اس وجہ سے نہیں رکھ سکتا کہ وہ سرکاری نوکر ہے! پھر بیوی بچے بھی ہیں ـــــ چکلے میں ایک کوٹھری لے دی تھی اور سارا خرچہ پورا کر رہا تھا ـــــ یہی وجہ تھی کہ چکلے بھر میں کوئی اس کی طرف نگاہ اٹھا کر نہ دیکھتا۔ سب ڈرتے تھے کہ اگر کہیں حوالدار نے سن لیا تو سزا ہی کرا دے گا جیل کی! ـــــ اور خود جے شری بھی حوالدار کے سہارے پڑی ہوئی تھی ـــــ ـــــ ورنہ سارے چکلے میں پچاسوں آدمی روزانہ آتے جاتے ہیں ـــــ وہ چاہے جو کچھ کرتی۔

جے شری چپ چاپ اپنی کوٹھری میں چلی آئی۔ دروازے بھیڑ کر اس کھاٹ پر بیٹھ گئی جس پر حوالدار اس کی ہڈیاں پسلیاں توڑا کرتا تھا۔ روزانہ آدھی رات کے بعد جب وہ گشت میں نکلتا تو ادھر ادھر ایک آدھ سیٹی بجا کر جے شری کی کوٹھری میں آجایا کرتا ـــــ اور پچھلی رات گئے تھانے لوٹ جاتا! الگنی پر پڑی ہوئی سستی ساڑی کی طرف اس نے دیکھا! یہ حوالدار نے اسے لا دی تھی۔ کسی کپڑے والے کی دکان سے یونہی اٹھا لایا تھا۔ دام بھی نہیں دیئے۔ ساڑی کے پاس ہی جمپر پڑا ہوا تھا بہت میلا کچیلا! اور وہ دھو کر بھی اسے کیا کرتی! سنگھار کی ضرورت ہی کیا ہے نئے گاہک تو آنے نہ تھے ـــــ ایک حوالدار تھا ـــــ وہی کافی ہے۔ سب خرچہ اسی سے نکل آتا تھا۔ زیادہ جمع کرنے کی ضرورت ہی کیا! اس نے سوچا بچھن کہتا تھا کہ غم ... نہیں! ایشور نے چاہا تو جلد ہی جیل کاٹ کر آجاؤں گا ـــــ جلدی

ہی اشاندو ہی تین سال کی ہوئی ہے سزا ـــــ وہ نردوش تھا۔ اگر میں اس کے ساتھ بھاگنے پر راضی نہ ہوتی تو وہ کیسے مجھے بھگا لاتا ـــــ! مگر جب تک وہ چھوٹ کر نہیں آتا پیٹ بھی بھرنا ہے اور تن بھی ڈھاپنا۔

عورت سب کچھ برداشت کر سکتی ہے لیکن محبّت میں ساجھے دار نہیں بنا سکتی۔ اجے شری کے دل پر بھی حوالدار کی بے اعتنائی سے ایک چوٹ سی لگی۔ وہ سوچنے لگی آج رات کو جب حوالدار آئیگا تو صاف صاف کہہ دوں گی کہ اسی ہلسیوا چمپا کے یہاں جائے ـــــ میری سوت کے پاس جس سے اقرار کر آیا ہے ـــــ کہوں گی ـــــ حرامی سے ـــــ کہ تو تو کہتا تھا کہ اگر تو کسی اور کے پاس جائیگی تو جڑ موڑ سے ناک کاٹ لوں گا! ـــــ کہو تو اب تمھاری ناک دانت سے کاٹ لوں حوالدار صاحب ـــــ! اور پھر جانی چمپا کیا نباہ سکے گی اس حوالدار کے بچّے کو! جس نے کسی کالے گورے کو چھوڑا ہی نہیں ـــــ کمینی ـــــ بدذات! چاچا کہتی ہے مگر چندر و چاٹ والے پر بھی بند نہ رہ سکی ـــــ کہتا تھا اس دن چندر و چاچا ـــــ کہ چمپا کو میں نے پورے سولہ گنڈے دیئے تھے ـــــ تو بھی لے لے ـــــ اجے شری۔

دونوں وقت مل رہے تھے۔ اجے شری جب اپنی کوٹھری سے باہر نکلی! ساری گلی میں سب رنڈیاں بناؤ سنگھار کر کے اپنی اپنی کوٹھریوں کے دروازوں میں بیٹھ چکی تھیں ـــــ میلی میلی ساریاں پہنے ـــــ ملگجے جمپر! پچکے ہوئے گالوں پر جاپانی پاوڈر ـــــ اور لبوں پر سرخیاں چمک رہی تھیں ـــــ کاجل میں رنگی ہوئی آنکھیں ہر آنے جانے والے کو دیکھ کر بار بار کھلنے اور بند ہونے لگتیں تھیں ـــــ جھجک کھانس کھنکار کر خواہ مخواہ راہگیروں کو متوجہ کرتیں۔ جن میں سے بہتیرے کھانس کھنکار کر اشاروں کا جواب دے رہے تھے ـــــ!

چندر و چاچا شام کا خوانچہ سجا کر بمبے سے کچھ دور پر آ گئے تھے ——— اس
وقت ان کی بکری بہت ہوتی تھی۔ ہر ایک تماشبین آتے وقت آنے کی چاٹ لے کر ضرور
کسی نہ کسی رنڈی کو کھلا دیتا ——— چندر و چاچا ان جھوٹے پتّوں کو للچائی ہوئی نظروں
سے دیکھ کر سوچا کرتے کہ اس دونی کی چاٹ ——— کامنی نے کھائی تھی ——— اس
کی گنتو نے! اس میں شکورن نے ——— اور اس میں چمپا نے ——— یہ پتّہ
جے شری کا چاٹا ہوا ہے ——— جیسے وہ اپنے کو جے شری سے بہت قریب
سمجھنے لگتے! ——— حوالدار کا ڈر ہے نہیں تو ایک دن زبردستی ——— ہر ب کچھ
سوچتے سوچتے ایکدم سے وہ آواز لگا دیتے ———

چاٹ مصالحہ کی ——— دہی کے بڑے ——— مٹر ٹکی ——— پھلکیاں
——— گرم مسالیو!

جے شری نے کارنس پر رکھی ہوئی تیل کی ڈبیا جلا دی ——— اور
اسی سے ایک بیڑی سلگا کر چندر و چاچا کے پاس پہونچ گئی ——— چندر و چاچا نے
مٹر کے بڑوں کو دونوں ہاتھوں میں اچھالتے اچھالتے ایک چھچھلتی نظر سے دیکھ لیا
——— وہ بیڑی کے لمبے لمبے کش کھینچ رہی تھی اس نے بیڑی کی ٹھریک بھی
چاچا سے نہیں کہا تھا ——— اس کی نگاہیں خوانچے کی ان تھالی میں بلتی رہی تھیں
جس میں سے اٹھتے چٹپٹے اور گلنیاں ابل پڑنے کو بیتاب نظر آ رہی تھیں ———
——— اسے خیال آیا ——— ہو گا حوالدار کا بچہ ——— چندر و چاچا سے ملنا تھوڑی ہے
——— کیا کاٹ لیگا ناک ——— میں خود اس حرامی کی ناک کاٹ لوں گی دانت سے! ———
آج کہہ دوں گی چندر و ——— چا ——— چا ——— کے ——— کوئی میرا دو تو
تھے چاچا تو ہے نہیں۔ یوں ہی جیسے سب رنڈیاں چندر و چاچا کہتی ہیں میں بھی کہہ دیتی

ہوں ــــ پھر کون بھتیجی ! اپنے چندرو چاچا کے پاس نہیں رہتی ہے ــــ آج تو جو بھی تھی کہ چاچا اس نے یہاں بہت دنوں آنا جانا رہا ! پر ان پولیس والوں کا بھروسہ ہی کیا ــــ اگر کل نہیں بدلی ہو گئی تو بس بات ہی نہ پوچھیں گے ! اور چندرو چاچا سے اگر چھٹ گئی تو ہمیشہ ہمیشہ کیلئے آنند ہی آنند ہیں ــــ !

[illegible] ہو چکا تھا ــــ چندرو چاچا نے دیکھا وہ اب تک کھڑی تھی۔ جلدی سے ایک دونے میں چاٹ بنا کر بڑھا دی !

لو ــــ چاٹ ہی مانگی تھی نا ــــ تم نے !

نہیں تو ــــ جے شری نے کہا ــــ میں نے تو کچھ نہیں مانگا !

خیر ــــ کھا ڈالو ــــ ! ...... وہ کہنے لگا ! کھالو۔ کھالو ! نہیں ــــ جے شری بولی ! نہیں چندرو چاچا ...... چاچا کہتے کہتے وہ رک گئی ! مجھے تم سے کچھ کام ہے چندر ناتھ ــــ !

مجھ سے ” چندرو بوکھلا سا گیا ” کیا کام ہے مجھ سے ــــ ؟

ہے ایک کام ــــ اس نے کہا ! رات کو آنا بتاؤں گی !

نہیں ابھی بتا دو ” چندرو بولا ” مجھے چین نہ پڑیگا جے شری ــــ جلدی بتاؤ کیا کام ہے ــــ ؟

گھبرانے کی کیا ضرورت ! جب آؤ گے بتا دوں گی۔ جے شری نے کہا ! ــــ آؤ گے نا رات کو ــــ ؟

ہاں .... ہاں ! چندرو نے جواب دیا ــــ ضرور ــــ ضرور

جے شری اپنی کوٹھری تک چلی گئی۔ پاس والی کوٹھری میں زیادہ مجمع تھا ــــ گاہکوں کی بھیڑ۔ تاڑی کے نشہ میں بدمست تانگے والے اور مزدور ــــ [illegible]

اور کارخانوں میں کام کر کے تھوڑی دیر کیلئے ایک کیف آور سکون چاہتے تھے! ایسا سکون جو دن بھر کی کسل اور تھکن دور کر دے ۔۔۔! یہ سب نئے رنگروٹوں کی طرح ایک ہی کوٹھری میں گھس آئے تھے جہاں ایک دو گئی گذری جوانیاں کثیف اور میلی کچیلی ساریوں میں اپنے پچکے ہوئے گالوں سے نوجوانی کا فریب آگیں راگ الاپ رہی تھیں ۔۔۔ وہی سنی سنائی فلمی چیزیں!

"میرا بلبل سو رہا ہے شور و غل نہ مچا ۔۔!"

"میرے چاند ۔ آجا ۔۔ تو کونسی بدلی میں! میرے چاند بے آجا"

"ہماری گلیاں ۔۔۔ ہماری گلیاں"

"پنگھٹ پر ایک چھبیلی ۔۔۔ پنیا بھرن کو آئی ۔۔ اِی - اِی - اِی"

بے تکی راگنیاں ۔۔۔! اور سو کھے تھے جے شری کی کوٹھری میں گھس آئے تھے۔ اس روشندان کی طرف سے جو خدا جانے کس لئے ایک کوٹھری سے دوسری کوٹھی کے درمیان لگا دیا گیا تھا۔

جے شری کا جی چاہنے لگا کہ وہ بھی ان کی آوازوں میں اپنی آواز ملا دے ۔۔۔ اور زور سے چیخنے لگے ۔!

"اندھیرا ہو رات ۔۔۔ سجن رہیو کہ جیہو ۔۔۔ ہاں - ہاں -"

اس کو ایسا معلوم ہوا جیسے پاس کی کوٹھری سے تمام تماشبین خفا ہو کر چلے گئے ۔۔۔ وہ کچھ زیادہ دام مانگ رہی تھی اور یہ آدھے درجن آدمی ایک ہی روپیہ میں نپٹ لینا چاہتے تھے! اس نے سوچا ۔۔۔ کہ کیا بکی ہوں تو بیچنے نہیں جی ۔۔۔ ایک روپیہ بھی کیا ہے ۔۔۔ اسی طرح اگر دس بیس ہم سے روزانہ آجائیں گے ۔۔۔ تو دو ڈھائی روپے کہیں نہیں گئے! مہینے بھر میں سا ٹھ ستر مل ہی جاتے ہیں ۔۔۔

اور حوالدار کا بچہ تو پورے تیس بھی نہیں دیتا مہینہ بھر میں ــــ حوالدار کا بچہ ناک کیا کاٹ لے گا ــــ میں خود دانتوں سے کاٹ لوں گی اس کی ناک ــــ آج آئیگا گشت میں تو دروازہ ہی نہ کھولوں گی ــــ بس میں اور چندر رو ــــ چا ــــ چا ــــ ہونگے امٹی کے تیل کا دیا ــــ کنٹرول کی پابندیوں کی وجہ سے روتے روتے بجھ گیا تھا ــــ جب سے مٹی کے تیل کا راشننگ ہو گیا گھروں میں قبروں سے زیادہ اندھیرا ہو جاتا ہے! کوٹھری کا دروازہ بھیڑا ہوا تھا ہر طرف دھوئیں کی بدبو پھیلی ہوئی تھی ــــ اور وہ تیز تیز سانسیں لے رہی تھی بالکل سناٹے میں ــــ گلی میں آنے جانے والوں کی آہٹ بھی ساون بھادوں کی بوندیوں کی طرح تھم سی گئی تھی! جبکہ کھاٹ میں کھٹملوں کا سمندر موجیں مار رہا تھا ــــ گندہ خون وہ شائد پینا نہیں چاہتے تھے ــــ!

زور زور سے سیٹیوں کی آوازیں آنے لگیں ــــ حوالدار وزاسی طرح دو چار سیٹیاں بجا کر چپکے چپکے قدم رکھتا ہوا اس کی کوٹھری میں آجایا کرتا تھا۔ تاکہ لانگ بوٹ کی آوازیں دوسروں کے کانوں میں نہ پہنچے۔ بھاری بھاری لانگ بوٹوں کی آوازیں دھیرے دھیرے آنے لگیں ــــ اور کسی نے چپکے سے چمپا کی کوٹھری کا دروازہ کھولا ــــ اور پھر فوراً ہی بند کر لیا ــــ!

بے شری کا ہاتھ لاشعوری طریقہ پر اپنی ناک کی طرف اُٹھ گیا ــــ حوالدار حرامی کی ناک ــــ جی چاہتا ہے دانت سے کاٹ لوں کمینہ کہیں کا ــــ کہتا تھا ناک کاٹ لوں گا تیری ــــ اگر کسی اور مرد کے پاس دیکھا۔

اسکی کوٹھری کے دروازے بھی دھیرے دھیرے چلنے لگے ــــ!

ایک دوسرے سے الگ ہو کر پھر گلے مل گئے ــــ!

وہ اُٹھ کر بیٹھ گئی ــــ کون چندر رو ــــ چا ــــ چا چا کہتے کہتے وہ جھجک

گئی

— !

دو تے موٹے لانگ بوٹ لکڑی کے سٹول سے ٹکرائے — !

حوالدار نے ماچس جلا کر دیکھا —

اب تک جاگ رہی ہے — تو جے شری —؟

— — — ❖ — — —

ماموں ذات

> سنہر ماموں جان قسم کے آدمی کو تن تنہا سفر کرنے سے احتیاط کرنا چاہیئے، ورنہ ممکن ہے وہ " ماموں ذات " ہو جائے ؟ -

آپ یقین مان لیں کہ آگرے اور بریلی کے سفر کرنے والے ننانوے فی صدی پاگل نہیں ہوتے ؟ بالکل اسی طرح جیسے ہر چمکنے والی چیز سونا نہیں ہو سکتی ۔ ورنہ آپ جانتے ہیں یہ ریلوے والے صرف ایک ڈبے میں ایک ہی جانور بھیجا کرتے ان جگہوں پر! اور آج کل ایسی گھماگھمی کی لڑائی میں تو ان چیزوں پر یقیناً کنٹرول کر دیا جاتا مگر میں تو عرض کر رہا ہوں لڑائی سے بہت پہلے کا قصہ! جب ایک پورے جواں جہاں انٹر کلاس میں تن و تنہا ایک عدد مسافر کا آگرے یا بریلی سفر کرنا اس بات کا کھلا ہوا ثبوت تھا کہ حضرت آگرے جا رہے ہیں علاج کیلئے! بریلی کے پاگل خانے میں آپ کے لئے سیٹ ریزرو ہو چکی ہے ـــ!

" اٹاوہ " کے اسٹیشن پر بے زبان ثروت نے گھبراہٹ میں وو زنانے انٹر " پر ہاتھ مارا ۔ رنگ برنگی ساریوں ۔ کالے کالے برقعوں .... اور مارواڑی طرز کے گھونگھٹوں میں ہلچل مچ گئی ۔

" سوجھتا نہیں ہے ..... زنانہ ؟

"ز...... ا...... نا...... نہ"

وہ خفیف ہو کر پلیٹ فارم پر آگیا۔ بغل ہی میں مردانہ انٹر تھا ہم دونوں اندر چلے گئے!

تین برتھ کا مختصر سا کمپارٹمنٹ! دو قبلہ رخ مردے لٹانے والی۔ ایک اتر، دکھن۔ قبلہ رخ والی ایک بڑی سیٹ پر ناشتے دان۔ لوٹا۔ گلاس۔ جوتا۔ اینچی۔ صراحی دو ٹرنک! پھلوں کی ایک ٹوکری اور تھرموس!

دوسری برتھ پر ہولڈال کے لٹکتے ہوئے تسموں سمیت ایک "سہاگ سیج" قسم کا بچھونا۔ سرہانے تلے اوپر دو لپٹے ہوئے بنے کڑھے تکیے جن پر "ویلکم" اور "گڈ نائٹ" کے ٹریڈ مارک بنے ہوئے تھے۔ اور ان سب کے اوپر تین سو پچیس پونڈ یا شاید اس سے بھی زیادہ وزن کی کوئی چیز لادی گئی تھی جس کو ہم چار شخص تھے اور ثروت کو کافی دیر لگی!

وہ کہہ رہا تھا!

"افریقہ کا ہے"

میری رائے تھی

"کلکتہ کے "زو" سے بھاگ آیا ہے۔"

اس نے کہا!

"ان کے ہاتھ پاؤں تو آدمیوں جیسے معلوم ہوتے ہیں"

میں نے جواب دیا

"آپ کو نہیں پتہ ... یہ تو ڈارون بھی کہتے تھے!"

شش ... کوئی ٹرنک کو منے کا الارم بنانے والوں نے ایجاد کیا ہو!

"ر ہے نرے احمق ہی! ...... ہو نقرعینہ میں کیا ہو گا ...؟

یہ مسئلہ ابھی ہلکی ہلکی سسکر اہٹوں میں الجھا ہوا تھا کہ دونوں سیٹ کے بیچ میں رکھے ہوئے، پیچوان سے بہو نچو نونشکی کے نگارے کی ایسی آوازآنا شروع ہو گئی۔

کٹر ... کٹر ... کٹر ..... کٹرا ..... ٹرا .. ... ٹرا ..... کٹر ..... کھو! ..... کھوں ..... کھی ..... کھ۔

ہمارے کمپارٹمنٹ میں رلانے والی گیس کا دھواں بھر گیا۔ ثروت تو کھانسی سے قریب تھا کہ اوندھے منہ گر پڑے ان پر! میں نے سہارا دو تکیے پہ سنبھالیا۔

جس طرح چینا بطخ سطح آب پر تیرتی ہے ...... بالکل اسی طرح ہماگ بیچ پڑتی چل رہے تھے! ورکٹر ..... کٹر ..... کٹر ..... ٹرا ..... کٹر ..... کرا ..... ک ... ... ا ..... ٹر۔

"واجی حضت (حضرت) یہ کونسا اسٹیشن ہے!"

ہڈیوں سے بنی ہوئی پوری بتیسی منہ کے باہر جھانکنے لگی۔

"جی ..... حضت ..... "یہ اٹاوہ ہے"

میں نے کہا!

پھر کٹر ..... کٹر ..... کٹر ..... شروع ہو گئی اور کھڑکی سے منہ نکالکر ...... کھوں ..... کھوں ..... کھوں!

ذرسی تکلیف ہو گی ..... جا ..... ناب کو ..... پاندان دیجئے گا!

ثروت نے بڑھ کر نہایت سعادتمندانہ طریقہ پہ پاندان ان کی طرف بڑھادیا!

وہ نہایت ہی میگنی سائز ہو کے موٹے موٹے پان بنا کر مرادآبادی اگالدان جیسے چوڑے چکلے کلّوں میں دبائے گئے ...... اور پاندان بند ہو گیا!

"آپ کہاں تشریف لیجائینگے ؟"
ملبّب مُنہ سے تھوک کی چھینٹیں اُڑنے لگیں!
"جی بس! یہی دلّی تک!"
ثروت کو خیال گذرا کہ شائد پان کھلا دیں۔

"خوب"
کھڑکی سے مُنہ نکال کر جگالی ہونے لگی!

"اور...... جناب"
ثروت اب بھی مستقل مزاج تھا!

"آگرہ......!"
مشغل تمام گردن مڑ سکی۔
اور پھر اطمینان سے "پاگُر" شروع ہو گیا۔
ٹرین فراٹے بھرتی ہوئی چلی جا رہی تھی۔ اور ثروت سوچ رہا تھا کہ شائد اب کہیں "بسم اللہ نوش فرمایئے"

"جی۔ حقیقت تو آپ شوق فرماتے ہونگے" ماحضر تناول ...... آپ کا دولت خانہ......! ہائیں۔ آپ ...... انڈا نوش نہیں فرماتے! شادی ہو گئی آپ کی......! ہاں...... یہ کباب میری لڑکی نے بنائے ہیں ... صاحب بڑی خوشی ہوئی آپ سے نیاز حاصل کر کے! کیا شغل ہے جناب کا ؟
— زور زور سے اس کے کان بج رہے تھے اور اُدھر وہی ... جگالی

تمہیں وہ رہ کر تاؤ آ رہا تھا۔ کتنا احمق ہے یہ بھیا بے زبان! وہ جانور ... جی

توبہ کیجئے! پان کو پوچھے گا۔ حقہ بڑھائیگا اس طرف لعنت ہے منحوس کی صورت پر! خدا ہی ہے جو آج روٹی ملے! صورت دیکھی ہے ایسے شوم کی! لاحول ولا ......!

میں نے ثروت کی طرف گھور کر دیکھا...... وہ ...... آدمی سمجھدار تھا گو کہ تھا بھیا بیر بان! مگر سمجھ گیا کہ مجھے غصہ آرہا ہے اس حوق پر......! اور نہ مجھے اس کی باتوں سے خوشی نہیں ہوئی......!

واقعی اس بدتہذیبی کی حد بھی تھی کوئی۔ سارے کمپارٹمنٹ کو گھیر رکھا ہے۔ کمبخت نے! اور پھر پان تک کو نہیں پوچھا...... ثروت نے معنی خیز نگاہیں ڈال کر پوچھا......!

پھر ......!

بیٹھے رہو...... دیکھو...... چچا کو چچا بنا کر نہ چھوڑا...... ہو تو کہنا۔!

میں نے چپکے سے کہا وہ مسکرانے لگا...... ان کی طرف دیکھا! وہ بدستور کھڑکی سے منہ لگائے ہوئے "جگالی" فرما رہے تھے ...... ہم لوگوں کی بات چیت پہیّوں کی بے ہنگام گھڑگھڑاہٹ میں گم ہوگئی۔

درجہ بھر میں خاموشی چھائی ہوئی تھی کہ گاڑی کی رفتار دھیمی ہونا شروع ہوگئی ہندو پانی...... مسلم پان پوری مٹھائی۔ بابو جی قلی...... اجی گارڈ صاحب ٹھہرئیے گا...... میں ٹکٹ لیلوں! دو آنے درجن کیلے کی آوازوں سے معلوم ہوگیا ایک چھوٹا سا اسٹیشن ہے۔ ٹرین رکتے ہی پھر گڑ...... گڑ...... گڑ حقہ بولنے لگا۔

"قبلہ" نے سیاہ کلکتیا سلیپر کے منہ میں دونوں "گوڈ" ڈالدیئے۔ اچھے خاصے تن و توش کے واقع ہوئے تھے۔ خضاب سے رنگی ہوئی فرنچ کٹ داڑھی، مہین کتری ہوئی مونچھیں اور بالکل انگریزی طریقہ پر کٹے ہوئے بال! بیس چھبیس سائز توند

کے توند پر ململ کا کرتا اس طرح مڑھا ہوا تھا جیسے ہندوستان کی قسمت پر ہوا نشہ پیر
لپیٹ دیا گیا ہو ...... ریشمی آزار بند سے کسے ہوئے غرارے دار پائجامے سے۔ توند
کے مدوجزر کا کچھ کچھ پتہ ضرور چلتا ___!

سیٹ پر سے پانی کا لوٹا اٹھا لیا گیا۔
کڑ..... کڑ..... کڑ ..... پھر کو ..... کھوں ..... کہ ..... کھوں!

اوگالدان جیسے منہ سے دھوئیں میں پیچی ہوئی عجیب عجیب قسم کی آوازیں
نکلنے لگیں۔

گارڈ نے ہری جھنڈی دکھلائی۔ سیٹی بجی ...... ہاتھ ہلایا۔ ٹرین چلنے لگی۔
.... چھک ..... چھک ..... چھک ... ! حضرت نے کھڑے کھڑے
ریشمی آزاربند کو ڈھیلا کرتے ہوئے حقے کے دو چار کش اور مار دیئے!

معلوم ایسا ہوتا تھا کہ وہ قبض اور پرانے قسم کے بواسیر کا شکار ہیں جب
تک دو چار حقے جلا نہیں لیتے۔ پاخانہ کھلتا ہی نہیں! اجابت ہی نہیں ہوتی گھنٹوں
پاخانہ میں بیٹھے ہوں گے جب کہیں جاکر ......!

میں نے سوچ لیا۔ جائیں تو قبلہ پاخانے! اگر آج ان کی ساری بدتہذیبی
نہ بھلادی ہو تو ...... کوئی بات ہی نہیں ___!

بس یہی وقت ہے! موقعہ پر چوکنا سخت غلطی و حماقت .... ! ساری تیاریاں
سمجھ میں آچکی تھیں جیسے ہی تشریف لے گئے پاخانے میں۔ میں نے جلدی سے
پھلوں کی ٹوکری سے رسی کھول کر پاخانے کے دروازے کو نہایت مضبوطی کے ساتھ
جکڑ دیا ___!

.... اندر ...... کھانس بھی رہے تھے ...... اور کانکھ بھی ___!

ثروت بھیا بے زبان کی طرح بیٹھا ہوا مسکرا رہا تھا۔

"ارے کمبخت کیا دیکھ رہا ہے...... جلدی سے ناشتہ دان کھول۔ پہلے اس فرض سے سبکدوش ہو لیا جائے!"

ثروت نے ناشتہ دان کے ڈھکنے نکال نکال کر سیٹ پر لگانا شروع کر دیئے اور میں نے جلدی سے تھرموس کھولکر دو گلاس پانی بنا ڈالا۔

آپ خیال فرمائیں کس قدر تکلف کیا گیا تھا ہم لوگوں کیلئے! مسافر نوازی کی انتہا تھی بس۔

"مرغ مسلّم، پراٹھے، شامی کباب، قیمہ، انڈوں کا خاگینہ، روغنی ٹکیاں مٹھائی پوری ...... اور نورتن چٹنی۔"

"بھیا بے زبان" کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ میں نے کہا آنکھیں پھاڑ کر کیا دیکھ رہے ہو۔ مال حرام بود بجائے حرام رفت۔

غور تو فرمایئے۔ ہم لوگ تھے تو انسان ہی! دونوں نے ملکر کھانا شروع کیا لیکن کہاں تک کھاتے ان گنت نعمتیں۔

بہر حال کوشش کی اور پنڈوں کی طرح خوب ڈٹ کر کھایا۔ دل میں سوچ لیا تھا۔ کہ چاہے جیا جائے...... رہا ہو...... چاہے جیا جائے! لیکن اس کے باوجود بھی بچ رہا۔ اور اچھا خاصا۔ کیونکہ بھی پھل بھی تو باقی تھے۔

ظاہر ہے کہ پھل کہاں تک چلتے۔ ڈکاریں تک۔ تو آنا بند ہو گئی تھیں پیٹ تھا کہ "کورک ٹیپڈ" ہو چکا تھا۔ مگر پھر بھی کفران نعمت جیسا گناہ بھی مول لینا نہیں چاہتے تھے! چند "موسمیوں" کا عرق نچوڑ نچوڑ کر پینا ہی پڑا۔

پائخانے کے اندر سے برابر کھانسنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ شاید

نبض شکنی، ہنوز باقی تھی؟

ثروت پان لگانے میں استاد تھا۔ پھر برقی قوام کیساتھ پان، سفید الائچیوں کے ساتھ پان، تمبولین کے ساتھ پان......... زعفران اور بالائی ملے ہوئے چونے کیساتھ پان......!

بھیا ہیر پان — میں نے کہا۔ دلی تک سفر کرنا ہے ذرا خیال رکھنا ..... راستے میں کم نہ پڑ جائیں۔

گھر تک کام دینگے۔

وہ بولا۔

"شاباش استاد"

واقعی اس نے سارے پاندان کا صفایا کر دیا تھا۔

پان دان کھا کر جب اطمینان کے ساتھ میں نے "گذنائٹ" والے تکیہ پر سر رکھا تو سُرور سے آنکھیں بند ہونے لگیں ...... رزاق مطلق ..... اور رب بے نیاز ...... کی قدرت کا کرشمہ نظر آنے لگا ...... صدقے تیری شانِ کبریائی کے ...... کہاں ہمارا منہ ...... اور کجا یہ نعمات ......!

اللہ بخشے خواجہ آتش مرحوم بھی کیا خوب فرما گئے تھے۔

سفر ہے شرط مسافر نواز بہتیرے

ہزار ہا شجرِ سایہ دار راہ میں ہیں!

میں اسی سجدۂ شکر میں محو تھا اور ثروت جمائیوں پر جمائیاں لے لے کر اونگھ رہا تھا کہ ..... زور سے بابو کوئی "میسج" لے رہے ہیں۔

کھٹ ... کھٹ ... کھٹ کھٹ ... کھٹ

آوازیں بے تکان آرہی تھیں۔ غور کیا..... تو معلوم ہوا کہ یہ بات نہیں ہے پاخانہ کا دروازہ اندر سے کھولا جا رہا ہے!..... مگر وہ کمبخت جنبش ہی نہیں کھاتا...... ..... اللہ جانے کیا معاملہ!

"حضرت" حضرت، ذری دروازہ..... کھول دیجئیگا .....!

ہانپتی ہوئی پاٹ دار آواز پاخانہ کے اندر گونجنے لگی۔

میں نے مسکرا کر ثروت کی طرف دیکھا...... اور لاپرواہی سے حقہ کی نے ہونٹوں میں دبالی گڑ..... لڑ..... گڑ..... ڑا..... ٹا..... کھٹ..... کھٹ..... ..... کھٹا کھٹ..... کھٹاک..... ...

پاخانہ پر جو ہوائی حملہ کی مشق ہو رہی تھی اس کی ناہموار آوازوں میں حقے کی صدائیں بھی گم ہو گئیں۔!

جناب..... ذری ...... دروازہ...... آپ کو زحمت ہوگی!

اندر سے پھر آواز آئی۔

ہم لوگوں نے اس "دخل درمعقولات" قسم کی سمع خراشی پر کوئی توجہ نہیں کی..... حقہ بڑے مزے میں آرہا تھا...... مگر مجبوری تو یہ تھی کہ جو سانس باہر آتی اس کا واپس جانا مشکل تھا۔ چہ جائیکہ حقہ کے خوشبودار گھونٹ اور...... رہ رہ کر یہ غم اور بھی کھائے جاتا تھا کہ ہائے پھلوں کی ٹوکری بھری کی بھری ہی ہے۔

"پاخانہ" کا دروازہ انتہائی جوانمردی کے ساتھ توڑا جارہا تھا...... مگر جناب آخر اگر یہ ریلیں ایسی ہی "جاپانی" بنائی جاتیں تو آپ خود سوچئے۔ آج اتنی لڑائی کا ہیکو چھڑ جاتی، بس جھگڑا تو اسی بات کا ہے۔ جاپان والے کہتے ہیں کہ ریلیں، ہوائی جہاز موٹر، تانگے، یکے، شکرم، بیل گاڑی، کوٹھیاں، مکانات، بنگلے، سینما وغیرہ

"جی..... بہت خوب! معلوم ہوتا ہے چنیا کھجلا رہی ہے"

میں نے جواب دیا وہ خاموش ہو گیا۔

اب گاڑی کی رفتار میں کچھ کچھ آہستگی پیدا ہونا شروع ہو گئی تھی!

چند ہی منٹ میں پوری ٹرین کی ٹرین پلیٹ فارم کے پہلو میں [illegible]
پہنچ گئی! اور قلیوں نے چیخنا چلانا شروع کر دیا....... بڑے میاں نے پا[illegible]
کھڑکی سے پلیٹ فارم کی طرف تھوتنی نکال دی!

قلی سٹ جا رہا تھا۔

قلی..... او...... قلی والے ---!

مڑ کر دیکھا قلی نے! اتنے موٹے آدمی کا سامان بھی ایسے ہی [illegible]

- بھائی...... ذرا...... پائخانہ بند ہو گیا۔ کھول دینا..... میاں!

منہ بسور کر رونی شکل بنا دی۔

آدمی تھا قلی بھی! ایک ذی روح پر مصیبت دیکھ کر اس کا دل پگھل [illegible]
کھول دینا ہی چاہتا تھا کہ میں نے للکارا ---؟

ارے...... وہی ہوا ہے! چل اپنا کام کر...... اتنی مشکل سے [illegible]
دونوں سے مل کر بند کیا ہے...... اگر...... ان کی طبیعت اچھی ہوتی تو بند کاہے [illegible]
جاتے:

قلی نے معاملہ کی نزاکت سمجھا دی۔ اس نے منہ پھیر کر دیکھا [illegible]
جاہ جی سیسرا اپنا۔

پلیٹ فارم آ ہی تو تھا۔ کئی آدمی نکل گئے! بعض نے دیکھا [illegible]
نہیں! ایک دو نے دیکھ کر بھی منہ پھیر لیا...... آخر ایک انسان نے [illegible]

سب کچھ ٹین اور چیڑ کے تختوں سے بنائے جائیں اور ان کی مرمت در گوند۔ لگا کر ہوا کرے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اتحادیوں کی رائے ہے کہ جو کام کیا جائے ...... پائدار ہونا چاہیئے ۔ ...... روز روز کا جھگڑا ٹھیک نہیں! اصل پوچھیئے لڑائی کی وجہ یہی ہے ورنہ............ ورنہ بات ہی کیا تھی!

تو . . . خیر...... رہ رہ کر زور لگ رہے تھے اور نئی نئی طرح سے ڈائیلاگ، پکارے جارہے تھے ۔

. اجی حضرت (حضرت) ۔

. نواب والا ۔

بابو جی ۔

. منشی ۔

. بابو صاحب ۔

. اجی شیخ جی ۔

. ارے میاں صاحبزادے ۔

. بھائی . . جان ۔

. اے بھیّا ۔

. جناب من ۔

اور خدا جانے کیا کیا گویا ہم لوگوں کی خوشامد ہو رہی تھی........ مگر......... ہم کہاں کے ایسے گئے گذرے تھے جو آہٹ اُن کے بہانے ہیں! بڑی مشکلوں سے تو پہنچے تھے . تب اور کھول دیتا دروازہ ! بھیا بان نے چپکے سے پوچھا۔ "اب کھول نہ دیا جائے ۔"

"جی۔۔۔ بہت خوب! معلوم ہوتا ہے چنیا کھجلا رہی ہے"

میں نے جواب دیا وہ خاموش ہو گیا۔

اب گاڑی کی رفتار میں کچھ کچھ آہستگی پیدا ہونا شروع ہو گئی تھی!

چند ہی منٹ میں پوری ٹرین کی ٹرین پلیٹ فارم کے پہلو میں بل کھاتی ہوئی پہنچ گئی! اور قلیوں نے چیخنا چلانا شروع کر دیا۔ ...... بڑے میاں نے پائخانے کی کھڑکی سے پلیٹ فارم کی طرف تھوتنی نکالدی!

قلی شٹ جا رہا تھا۔

قلی ...... او ...... قلی والے ـــــ!

مڑ کر دیکھا قلی نے! اتنے موٹے آدمی کا سامان بھی ایسا ہی ڈبل ہو گا۔ غالباً۔؟

"بھائی ...... ذرا ...... پائخانہ بند ہو گیا۔ کھولدینا ..... میاں!"

منہ بسور کر رونی شکل بنادی۔

آدمی تھا قلی بھی! ایک ذی روح پر مصیبت دیکھ کر اس کا دل پگھل گیا۔ کھڑکی کھول کر اندر آیا ہی چاہتا تھا کہ میں نے للکارا ـــــ؟

"ابے ...... وہی ہوا ہے! چل اپنا کام کر ...... اتنی مشکلوں سے تو ہم دونوں نے ملکر بند کیا ہے ...... اگر ..... ان کی طبیعت اچھی ہوتی تو بند کاہیکو کئے جاتے!

میں نے معاملہ کی نزاکت سمجھادی۔ اس نے منہ پھیر کر دیکھا بھی نہیں۔ بھاگا جی بیکر اپنا۔

"پلیٹ فارم" ہی تو تھا۔ کئی آدمی نکل گئے! بعض نے دیکھا اور بعض نے نہیں! ایک دو نے دیکھ کر بھی منہ پھیر لیا ...... آخر ایک انسان نما بابو جی کو ان سے

ہمدردی پیدا ہی ہو گئی۔ قریب تھا کہ وہ ماسٹر کلاس میں آکر " جانگلوش " کو کھولدیں۔

" ارے ... رے ...... رے! یہ آپ کیا کر رہے ہیں! میں سیٹ سے کھڑا ہو گیا۔ ماموں جان کو دورہ ہو گیا ہے ...... اگر سے لیجانا ...... مشکل ہو جائے گا مشکل ہے۔ بابوجی ۔۔ !

وہ بیچارے سٹ پٹا گئے! ان کا ہاتھ رُک گیا۔

آپ کے ماموں ہیں ...... کوٹھا اتر گیا ہے میرے خیال میں!

آہستہ سے بولے۔

" جی ہاں ...... اسی لئے تو کہہ رہا ہوں ...... ورنہ کون اپنے ماموں جان کو پائیخانے میں بند کر دیتا۔ بھلا ۔ !

میں نے آبدیدہ ہو کر عرض کیا ۔ !

" پائیخانے " کی کھڑکی کے پاس ہی یہ بات چیت ہو رہی تھی ۔۔۔ شاید انہوں نے سن لی

" صاحب بکنے دیجئے ...... ان بدمعاشوں کو ... ... میں ہرگز ان کا ماموں نہیں ہوں۔

اندر سے بولے۔

میں نے بابوجی کو نوٹ کرا دیا۔

" دیکھئے! ان کی باتیں ...... جیسے ماموں کہیں سے بن کر آئے ہیں! کہتے ہیں میں ان کا ماموں نہیں!

کھنچے ہوئے شیشوں کی عینک سے بابوجی نے جھانکا! اچکے سے پلیٹ فارم کی طرف سدھارنے لگے۔!

"چھ....... چھ....... چھ یہ مرض بھی کتنا بُرا ہوتا ہے اپنے پرائے سب بُرا ہو جاتے ہیں" !

میں پاگل نہیں ہوں..... بدمعاشو!..... میں تمھارا ماموں نہیں ہوں ہرگز نہیں!..... یہ چور ہیں...... شریر..... لُچے...... بند کر دیا ہے مجھکو..... میرا دماغ ٹھیک ہے..... یہی پاگل ہیں....... میں ان کا ماموں ہرگز نہیں..... ہرگز نہیں! خدا کی قسم نہیں! میں تو آگرے اپنے ایک دوست سے ملنے جا رہا ہوں۔

آدھ گھنٹہ سے زیادہ دیر تک پائخانہ میں بےبسی کیساتھ پھڑپھڑاتے پھڑپھڑاتے وہ سچ مچ پاگل ہو گئے تھے۔ پسینے میں شرابور...... اور مُنہ سے کف جاری تھا چیخ رہے تھے بدستور۔

میرے ڈبے کے سامنے اچھا خاصا مجمع تھا۔ اور ان کی چیخ و پکار سے سارا پلیٹ فارم گونج رہا تھا۔ کچھ لوگ ہنس رہے تھے کچھ افسوس کر رہے تھے....... اور کچھ خیال آرائیوں میں محو!

"ایشور..... موت دیدے..... مگر پاگل نہ کرے"

"ہاں صاحب بڑا موذی مرض ہے کمبخت!"

"آگرے لیجا رہے ہوں گے یہ لڑکے؟"

"کب سے بیمار ہیں!"

مارنے تو نہیں دوڑتے!

"آپ کے حقیقی ماموں ہیں........ نا....؟"

"پہلی مرتبہ دورہ پڑا ہے....... شائد ــــ؟"

"دکھیا..... دکھیا کا کوٹھا اتر گیا ہے!"

مجمع، چیختے چیختے گالیوں پر اتر آئے تھے۔ مگر ان کی اس سراسیمگی و بدحواسی سے
[illegible] بہت [illegible] ہو چکی تھی۔ لیکن پھر بھی کچھ نہ کچھ بیانات بھی دینا ہی پڑے

جی۔ بالکل حقیقی ماموں ہیں۔

پچھلے سال [illegible] کہا تھا دو مہینے، کچھ فائدہ نہیں ہوا۔

بیمار تو بہت دنوں سے ہیں لیکن اب کے ذرا سخت حملہ ہوا ہے......

مارنے کو...... دوڑتے ہیں۔ کاٹ کھاتے ہیں۔

ادھر [illegible] نے اپنی صفائی کیلئے [illegible]۔ میں تو پاخانے
آیا تھا ...... بند کر دیا ...

بیٹھیے صاحب ... میں [illegible] جانتا ہو تو [illegible] ہیں۔

یکایک [illegible] کا کافی [illegible] ہوا۔ لوگ [illegible] سے کھڑے
ہو گئے۔ اور [illegible] اور حضرت [illegible] نے زیادہ موٹی قسم کی [illegible] گالیاں شروع کر دیں۔

وہ جتنا بھی [illegible] رہے تھے اتنا ہی [illegible] کا یقین سب کو ہوتا جا رہا تھا۔
مسافر [illegible] اپنے درجوں میں جا بیٹھے [illegible] گاڑی روانہ ہو گئی۔ مگر ان کے
غصہ [illegible] چڑھتا ہی جاتا تھا [illegible] اور باقاعدہ [illegible] گالیاں دے
رہے تھے ...... [illegible]

[illegible] ہوں گا ... [illegible] دیکھو ...

دھمکی [illegible] پاخانے میں سے:

[illegible] ذات [illegible] اب ان باتوں میں کیا رکھا ہے۔

[illegible]

[illegible]

"میاں ۔ تو نوش فرمائیے گا ...... ماموں جان !"

"ارے بے ایمانو ..... پان کھا لئے سب !...... ہائے خدا غارت کرے ..... ! دیکھو ابھی ٹرین رکوا کر ..... تم سب کو ..... پولیس کے حوالے کرتا ہوں۔

سچ مچ زنجیر کھینچ لی ..... اور گاڑی رک گئی ..... ہانپتے ہوئے گارڈ صاحب چلے آ رہے تھے !

" گارڈ صاحب ..... یہی بدمعاش ہیں ..... مجھکو پاخانے میں بند کر دیا میرے سب پان کھا لئے ! گرفتار کر لیجئے ان کو ..... بدمعاش ..... چور ہیں !

" براہ کرم ..... گارڈ صاحب کنکشن الگ کر دیجئے ..... ورنہ یہ راستے بھر یہی کریں گے ! آگے پہونچنا مشکل ہو جائیگا ..... !

" یہ ہمارے ماموں ہیں ..... صاحب دماغ میں کچھ فتور ..... آ گیا ہے ! علاج کیلئے لے جا رہا ہوں !"

اندر سے بڑے میاں جھنجلا جھنجلا کر بڑبڑا رہے تھے ......

جھوٹے ہیں ..... بدمعاش ! ابے تیرے ماموں ..... کی ..... !

نہ جانے کیا اول جلول بک رہے تھے ! ان کی گھبراہٹوں نے بہت ہی جلد گارڈ کو بھی یقین دلا دیا کہ زنجیر پاگل پن ہی میں کھینچی گئی .....

وہ ..... اپنے ڈبے کی طرف چلا گیا اور گاڑی پھر روانہ ہو گئی !

" ماموں ذات ..... آپ نے زنجیر کھینچ کر کیا فائدہ اٹھایا ..... اب آپ کھینچتے رہئے زنجیریں ..... ٹرین رک ہی نہیں سکتی ..... کنکشن ..... ہی علیحدہ ہو گیا۔

میں نے پاخانے کا دروازہ پہلے دستک دیکر کھولا .....

کیا معقول جواب دیتے ہیں.....!

"میں.....تیرا.....ماموں نہیں.....باپ ہوں"

"غالباً شرم تو نہ آئی ہوگی آپ کو.....ماموں سے باپ بن رہے ہیں!"

میں نے جواب دیا.....!

بولے!

"آخر..... میں نے تم لوگوں کا کیا بگاڑا ہے.....جو مجھے تنگ کر رہے ہو!"

میں نے کہا:۔

"آخر..... ہم لوگوں نے آپ کا کیا بگاڑا تھا..... جو پان کو بھی نہ پوچھا! حقہ تک نہ بڑھایا، ناشتہ گول کر گئے! پورے ڈبے کا ڈبہ چھپا رکھا تھا آپ نے..... آپ نے یہ بھی تو نہ [illegible] یہ لوگ جو آئے ہیں [illegible] پارٹمنٹ میں [illegible] کا بھی حق ہے..... آخر کیا بگاڑا تھا آپ کا ہم لوگوں نے..... [illegible] بدتہذیبی..... اور بدمذاقی کی کوئی حد بھی ہے!"

ندامت تو ان کو خاک محسوس ہوتی..... لیکن اپنی جان بچانے کی فکر تو تھی:

"بیشک یہ میری غلطی تھی..... آپ لوگ میرے چھوٹے ہیں معاف کیجئے [illegible] سب وہیں کھا [illegible] سے [illegible] پتی کا ہے!"

[illegible]

[illegible]

کاموں سے تو ہم لوگ پہلے ہی فرصت کر چکے ...... آپ کی مہمان نوازی کا شکریہ ...... اور بہت بہت شکریہ!

"ٹونڈلہ" کا سٹیشن آچکا تھا۔ ثروت نے جلدی جلدی کچھ پھل اٹیچی میں رکھے؛ جیسے ہی گاڑی ٹھہری ہم لوگ پلیٹ فارم .... کی دوسری طرف اتر کر دِلّی جانیوالی ٹرین میں بیٹھ چکے تھے ...... اور ہماری ٹرین آہستہ آہستہ رینگ رہی تھی۔

"جہاں بات بنائے نہ بنے"

ایک تو سے کی لڑکی کیا چھوٹی کیا موٹی ، سچ پوچھیے تو آپا اور مجھ میں فرق ہی کیا تھا۔ ایک درخت کی دو شاخیں، ایک ماں کی دو اولادیں۔ جیسے بدن کی انگوٹھی پر آنکھوں کے دو نگینے۔ یہ اور بات تھی کہ میرا رنگ آپا سے کچھ کھلتا ہوا تھا۔ مگر اس کے یہ معنی بھی نہ تھے کہ خدا نہ کرے آپا کوئی ایسی کالی کلوٹی تھیں جن پہ بلیک آؤٹ ہونے کا گمان کیا جائے۔ بس ذرا دبتا ہوا، سانولا ہوا رنگ، بھاری بھرکم ڈیل ڈول اور چہرے پہ ہلکے ہلکے داغ تھے۔ سو وہ بھی چیچک کے۔ لیکن اس دنیا میں ظاہری رنگ روپ دیکھنے والے تو بس یہی چاہتے ہیں کہ بدصورت لڑکیاں زندہ جان ہی قبر میں سلا دی جائیں۔ بدقطع سے بدقطع بدصورت سے بدصورت مردوں کو اپنی آنکھ کا شہتیر تو نظر نہیں آتا، مگر دوسرے کی آنکھ کا تنکا کانٹے کی طرح کھٹکنے لگتا ہے۔ امیدوار اپنا کالا تار چرا ہوا چہرہ نہیں دیکھتے لیکن اچھی سے اچھی نک سک کی لڑکی میں ہندی کی چندی نکالتے ہیں۔

پہلے پہل جب ہم لوگوں کے پیام آئے تو ہر طرف سے میرے ہی زور ہونے

لگے۔ بعض نے کھلم کھلا بعض نے خوبصورتی کے ساتھ آپا میں عیب نکالکر یہی کہا کہ کوئی لڑکی سے کر دیجئے۔ امی جان کو یہ بات بہت ناگوار گذری اور ہونی بھی چاہئیے تھی جب تک بڑی بیٹی کا فرض ادا نہ کر لیتیں اُن کو دنیا کیا کہتی پھر خدا جانے آپا کے بیاہ میں کیسی کیسی اڑچنیں لگتیں۔ ایک تو یوں ہی آپا میں سب عیب نکالتے تھے اللہ جانے جب کیا کیا بُرائیاں نکالی جاتیں۔ زمانہ یہی کہتا اگر یہ ایسی ہی ہوتیں تو کاہے کو یہ ہوتا کہ بڑی بیٹھی ہیں اور چھوٹی کا بیاہ ہو جائے۔

ابا جان ٹھہرے نئی روشنی کے! انہیں اس قسم کی دقیانوسی باتوں سے اللہ واسطے کا بیر۔ تئے دن امی جان سے یہی جھگڑتے کہ میں ان پرانی باتوں کو جہالت سمجھتا ہوں اس میں کیا جب ماشاءاللہ دونوں لڑکیاں بیاہنے کے قابل ہیں تو اس کا پہلے ہوا تو کیا ـــ اور اس کا ہوا تو کیا ـــ بیاہ تو دو دلوں کو یکجا کرنا ہے۔ اس میں آگے پیچھے کا سوال ہی کیا ـــ امی جان رہ رہ کر سمجھاتیں مگر وہاں ایک نہیں ہزار نہیں۔ اِدھر میری سسرال والوں نے اباجان کی شہ پاتے ہی تقاضوں کی بھرمار کر دی۔ روز روز یہی ہوتی لگا۔ کہ اب صاحب دن تاریخ مقرر ہونا چاہئیے۔ دیر نہ ہونی چاہئیے۔!

امی جان نے تو پہلے ہی دن لکڑ دلوں کو لتاڑ کے پھونک دیا ہوتا مگر ابا جان نے ان لوگوں کو شہ دی کر اتنا سر چڑھالیا تھا کہ اب امی جان بھی ہمت ہار چکی تھیں۔ اُدھر آئے دن کے تقاضے، اِدھر کی ٹال مٹول! کوئی سال بھر تک یہی ہوتا رہا۔ مجھے بھی اب بیسواں برس لگ چکا تھا، اور بیچاری آپا کو تو اکیسواں بھر کے بائیسواں شروع تھا۔ آخر ہوتے ہوتے ایک چپ چپاتی شام میں میرا نکاح اس شرط کیساتھ کر دیا گیا کہ میری رخصتی اور آپا کی رخصتی ساتھ ہی ساتھ ہو گی۔

اس قسم کے شادی بیاہ سچ پوچھئے تو گھر گھوڑا نخاس مول کہلاتی ہیں

کہیں بنّو تو بڑی میکے میں ایڑیاں رگڑ رہی ہیں اور میاں اِدھر اُدھر واہی تواہی گلیوں کے چکر کاٹ رہے ہیں۔ ان زندہ درگور لڑکیوں کا بھائی برادری میں جانا تو درکنار گھونگھٹ کی آڑ سے کسی باہری عورت کو دیکھ لینا گناہ اور گناہِ عظیم سے کم نہیں ہے۔ دن ہے تو کمرہ، رات ہے تو کمرہ۔ جاڑے، گرمی، برسات، بارہوں مہینے یہی قید خانہ ہے۔ اور یہ۔ یہیں کھانا یہیں پینا۔ یہیں سونا، یہیں جاگنا۔ بس ایک زندہ جان پر چوبیس گھنٹے کی بیں۔ زندگی کے دن کاٹے کٹتے ہیں نہ موت آتی ہے۔

میرے نکاح کے بعد صبیکا کو امّی جان کا خیال تھا۔ پر ہوا۔ آپا کے پیام آنا بند ہو گئے۔ اور ایک آدھ جو آئے بھی تو وہ ایسے نہ تھے جن کو منظور کیا جاتا۔ کہیں حسب نسب کے جھگڑے۔ کہیں چال چلن کے کھوٹے۔ کوئی بوڑھا دوہاجو کسی کے پاس بی۔ اے کی سند چھوڑ نمبر کا بھی سرٹیفکیٹ نہیں۔ اور کوئی نکھٹو بے روزگار۔ اب آپا ایسی بھی بھاری نہ تھیں جن کو ... بے ... بوجھ کسی کے گلے میں ڈھکیل دیتے۔ امّی جان کو دن رات یہ غم گھلائے دیتا۔ ابا جان اسی سوچ میں سوکھ کر کانٹا ہو گئے تھے۔ اگر بیا... ۔ مشہور اخباروں میں شادی کے اشتہار چھپوائے۔ ان گنت شادی بیاہ کرانے والی کمیٹیوں کے ممبر بنے۔ سیکڑوں دوستوں کو خطوط لکھے۔ عزیزوں قرابت داروں کو کہا۔ دان جہیز کا لالچ دیا۔ لیکن جب نصیب کا دن رشتہ نہ ملنا تھا نہ ملا۔ اوّل تو پیام ہی نہ آتے اور جو آتے بھی تو کہیں سے تصویر جیسے راز مانگی جاتی۔ کوئی کہتا پہلے لڑکی دکھا دیجئے۔ کسی کو کورٹ شپ پر اصرار۔ کہیں یہ شرط کہ میڈیکل سرٹیفکیٹ دکھائیے۔ غرضکہ ایک عذاب میں جان تھی۔ شادی کا ہے کو تھی بیچاری آپا کے سہرے کے پھول نہ بن سکتے تھے جب نئی روشنی کی نئی نئی شرطیں۔ امّی جان تو امّی جان ابا جان کو بھی منظور نہ تھیں۔ نہ دن فیشن کی رٹ لگائے رہتے۔ لڑکی دکھا دینے پر نہ ابا جان راضی تھے ... خیال

تھا تو اس بات کا کہیں اّبا کو دیکھ کر لڑکے والے انکار نہ کر دیں۔ اُمّی جان چھوٹتے ہی نتھنوں بیزار تھیں کہ چاہے بیاہ ہو نہ ہو میں نکاح سے پہلے لڑکی کا سایہ بھی نہ دکھاؤں گی چاہے جنم جنم نندگی میری دلہن یوں ہی بیٹھے رہے۔ یہ تو باوا دادا میں نہیں ہوا۔ میں کوئی نئی بات اپنے جیتے جی نہ ہونے دوں گی۔ اپنی جان دے دونگی، مگر یہ تو کسی طرح نہ ہوگا۔ بھاڑ میں جائے موا فیشن آگ لگے اس نئی روشنی کو، کنواری باری لڑکی مجھ سے تو نہ دکھائی جائیگی۔ نکاح سے پہلے۔ ہاں عزت آبرو کیسا تھ لڑکی سسرال چلی جائے۔ میاں شکوہ کرنے پہ اپنا چاہے دشمنوں کو تصبیر چاہئیں۔ زمین آسمان ایک کر دوں گی مگر اپنی آنکھوں کے سامنے یہ نہ ہونے دوں گی۔ اّبا جان کہنے، بیگم کیسی باتیں کر رہی ہو۔ تمہاری تو وہی مثل ہے کہ سُوت نہ کپاس کوری سے لٹھم لٹھا۔ کہیں سے شادی بیاہ طے بھی ہو نے دو پھر سب کچھ کہہ لینا۔ جی میں آئے لڑکی دکھانا، جی میں نہ آئے نہ دکھانا۔ ابھی سے ایسی باتیں کرکے سارے جہان کے کان کھول رہی ہو کہ ہو نہ ہو لڑکی میں کوئی عیب ضرور ہے جبھی تو دکھانے سے انکار کر رہے ہیں۔ بڑی سعی و سفارشوں سے اللہ اللہ کر کے ایک جگہ سے پیام و سلام کا سلسلہ شروع ہوا۔ لڑکا پولیس میں تھانیدار تھا دوہا جو تو ضرور تھا۔ مگر شادی کے تین ہی چار مہینے کے بعد بیوی مر گئی تھی۔ کوئی بال بچہ بھی نہیں تھا حسب نسب۔ چال چلن، اور طور طریقے بھی ایسے تھے جن پر سارے گھر کو اطمینان تھا۔ مگر ان کی شرط بھی یہی تھی کہ پہلے لڑکی دیکھیں گے۔ اّبا جان نے ان سے وعدہ بھی کر لیا تھا کہ ہاں لڑکی دکھا دی جائیگی۔ لیکن اُمّی جان نے جو سُنا تو زمین آسمان کے قلابے ملا دیئے۔ وہ چیخم دھاڑ رونا دھونا کہ اللہ تیری پناہ۔ اّبا جان کے پیچھے اس بُری طرح پائنچے جھاڑ کر پڑیں کہ ان کی آئی گئی عقل جاتی رہی۔ گھر بھر میں دو دن تک یہی طوفان برپا رہا۔ چار پہر سارے گھر میں کسی کے مُنہ پر کھیل

تک نہ گئی ۔ امی جان کا رونا دیکھ دیکھ کر کلیجہ چھپا جاتا۔ ان کی باتیں سن سن کر پھر کھڑا بیٹھا رونے لگتا۔ پورے دو دن ابا جان مردانے سے باہر نہیں نکلے بارے تیسرے دن جو آئے بھی تو امی جان سے یہی کہا کہ بیگم اب میری عزت اور لاج تمہارے ہاتھ ہے اگر تم رکھو تو یہ رہے، ورنہ ناک تو کٹ ہی چکی جب میری بیوی نہیں رہی تو ظاہر ہے کہ دنیا میں میرا ٹھکانا نہیں۔ دو دن سے میں اسی سوچ میں ہوں کہ کیا کیا جائے۔ ایک تدبیر میری سمجھ میں آئی ہے اگر تمہیں پسند آئے تو مانو ورنہ جانے دو۔ میرے خیال میں تو بدر النسا کو دکھا دیا جائے اس کا نکاح بھی ہو چکا ہے مہر النسا کے دولہا کی محرم بھی ہے اس میں کوئی حرج نہیں۔ امی جان اس پر بھی رضامند نہیں ہوئیں کہنے لگیں، یہ دھوکے فریب کی باتیں مجھے پسند نہیں ....

..... مختصر یہ کہ کئی دن کی کد و کاوش کے بعد ابا جان کی تجویز منظور ہو گئی۔ اور تھانیدار صاحب کے گھر والوں کو اس کی اطلاع بھی دیدی گئی۔

ہفتہ عشرہ کے بعد ہی ان کے گھر کی عورتیں اور مرد آ گئے۔ امی جان اور خالہ بی نے مجھے خوب بنا سنوار کر آپا کے انٹرویو پیش کر دیا۔ اور میں پسند بھی کر لی گئی، اسی دن تاریخ بھی مقرر ہو گئی اور یہ لوگ واپس چلے گئے۔

اب اس طرف کی سنیے! میری سسرال والوں نے رخصتی کے لئے تقاضا کیا۔ ابا جان اور امی جان میں کئی دن سے مسلسل مشورہ اور صلاح کے بعد طے پایا کہ ان لوگوں کو لکھ دیا جائے کہ ایسے گرانی کے زمانہ میں دو کام ہمارے بس کی بات نہیں ہے۔ اگر اللہ کو منظور ہے تو دو چار مہینے کے بعد بدر النسا کی رخصتی کر دی جائیگی۔ اس سلسلہ میں کئی ہفتے برابر ابا جان اور میری سسرال والوں میں خط و کتابت ہوتی رہی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ لوگ خفا ہو گئے اور صاف صاف لکھ بھیجا

کہ اب ہم لوگ کبھی رخصتی کرانے کیلئے نہیں آئیں گے۔ آپ کا جب جی چاہے لڑکی بھیج دیجئے گا۔ انہوں نے آپا کے بیاہ میں بھی آنے سے انکار کردیا۔ یہاں آج کل اس قسم کے قصے قضیے طے کرنے کی کس کو فرصت تھی۔ سارے گھر میں گہما گہمی سے آپا کا بیاہ رچا تھا۔ انتظامات ہورہے تھے، دن رات سب کو اسی بیاہ کی فکر تھی۔

اُمی جان نے تو جھنجھلا کر یہاں تک کہہ دیا۔ میری جوتی سے بیاہ میں نہ آئیں گے یہ لوگ تو کیا میری بیٹی کا بیاہ نہ ہوگا۔ جہاں مرغا نہ ہوگا وہاں کیا سویرا ہی نہ ہوگا۔ آج کل سارے گھر میں چرچے تھے کہ اللہ پلک جھپکتے ہی وہ گھڑی آجائے جب دُکھیاری بہن کے سہرے کے پھول کھلے ہیں۔ ماں باپ کے سایہ میں پروان چڑھے لڑکی۔ صدا سکھ سُہاگ سے رہے بھلے پھولے تنو آباد رہے۔

خوشی اور مسرت کی گھڑیاں دوپہر ڈھلے کی چھاؤں ہوتی ہیں اِدھر آنکھ بند کی اُدھر شام ہوگئی۔ آپا کے بیاہ کی تاریخ بھی اسی طرح گھوڑے کی دوڑ دوڑتی ہوئی آگئی۔

بھیتر سے باہر تک عجب گہما گہمی کا عالم تھا، کان پڑی آواز سنائی نہ پڑتی جیسے دیکھو اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بنائے ہوئے ہے۔ وہ نفسی نفسی کہ الامان و الحفیظ۔ میراثنیں اور ڈومنیاں ایک طرف اپنی بیوقت کی راگنیاں اڑا رہی تھیں ٹولی ٹولی میں بیٹھی ہوئی لڑکیاں اپنی قسمت کا الگ رونا رو رہی تھیں۔ بڑی بوڑھیاں دوسری طرف اپنی جوانی کے قصے دُہرا رہی تھیں۔ باہر شہنائی، ارگن، ڈھول دھماما۔ ایک ہنگامہ تھا۔ ادھر آپا قیمتی شاہانہ جوڑا پہنے ہوئے دلھن بنی بیٹھی تھیں اور چاروں طرف ہمجولیوں کا جمگھٹ لگا ہوا تھا۔ سکھی سہیلیوں کیلئے یہ تماشہ بالکل نیا تھا۔ کہ ایک دولھا کیلئے دو دلھنیں تیار ہیں ہر طرف سے ہم دونوں پر چٹکیوں

کی ایسی بھرمار تھی کہ سارا بدن آبلہ ہو گیا تھا۔ شوخ و شریر لڑکیاں طرح طرح کے نعرے کس رہی تھیں۔ کوئی کہتا بھئی دیکھیں یہ میدان کس کے ہاتھ رہتا ہے امیدوار تو دونوں اچھے ہیں کسی کا خیال تھا آپا تھانیداری بہت پھبتی رہے گی۔ بعض کہتی تھیں تھانیداری کی وردی مجھ پر خوب پھبے گی۔

تھوڑی دیر میں بارات آنے کا شور اٹھا اور دروازے پر بارات آ گئی۔ لڑکیوں کی پوری فوج نے گلاب کی چھڑیوں سے دولہا جی پر ایسا حملہ کیا کہ ساری تھانیداری بھول گئے۔ دولہا کے چار کی رسمیں ختم ہونے کے تھوڑی دیر بعد نکاح پڑھنے کے لئے قاضی جی آ گئے۔ عورتوں کے ایک ہجوم غفیر نے ہم لوگوں کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ ایک بڑی بی نے قاضی جی کے آگے اغراض و مقاصد بیان کرتے ہوئے کہا۔ بیٹی ہنکاری بھرو۔ تمہاری ماں نے "ہوں" کی تھی۔ تمہاری دادی نے "ہوں" کی تھی۔ تمہاری نانی نے، تمہاری پھوپھی نے، تمہاری چچی نے، کہو "ہوں"۔ کہا بعوض پچیس ہزار دینار سرخ تم کو قبول و منظور ہے۔ قبول ہے۔ آپا کا یہ حال کہ روتے روتے بے حال ہوئی جا رہی تھیں۔ "ہوں" کہتا تو کون۔ کئی منٹ یہی ہوتا رہا۔ نتیجے میں کسی شریر لڑکی نے ہنکاری بھر دی۔ مبارک سلامت کے غلغلے بلند ہونے لگے۔ خوشی کے شادیانوں سے سارا محلہ گونج اٹھا۔ یکایک جلدی سے خالہ بی نے آ کر آپا کو اندر کی کوٹھری میں بند کر دیا۔ مجھ سے چپکے سے کہا کہ سسرال والی آ رہی ہیں۔ ہوشیار رہنا۔ میں شروع سے جیسے سکھایا تھا اچھی طرح ادا کر رہی تھی۔ چپ اور سر جھکا کر بیٹھی تھی اتنے میں آپا کی ساس، نندیں اور دیورانیاں آ گئیں۔ بڑی بی نے سہرا سرکا کر میرے منہ سے گھونگھٹ کی پٹ پٹ بلائیں لیں۔ واری ہوئیں، صدقے گئیں اور ایک قیمتی انگوٹھی میرے ہاتھ میں پہنا دی۔ ان کے ہٹتے ہی نندوں نے ہو حق شروع

کردی۔ کبھی گال میں چٹکی لے لی۔ کسی نے گدگدا دیا۔ کوئی گھنٹہ بھر یہی ہوتا رہا۔ یکایک دولھا کے اندر آنے کی دھوم مچ گئی۔ چھپنے والی عورتیں اور لڑکیاں کوٹھریوں اور کمروں میں چھپ گئیں۔ ڈیوڑھی کے دروازہ سے بہنوں نے دولھا کے سر پر آنچل ڈالا۔ اور جس کمرے میں میں تھی ہوئی تھی وہاں لے آئیں۔ امی جان نے دولھا کی بلائیں لیں اور دیر تک دعائیں دیتی رہیں۔ ایک عورت نے میرا گھونگٹ اٹھا کر دولھا کو دکھاتے ہوئے کہا۔ "کھو بیوی آنکھیں کھولو ...... میں تمہارا غلام۔" دادی غفور جی بھی تھے بڑے چلتے ہوئے کہنے لگے "بیوی آنکھیں کھولو میں تمہارا غلام" سب کھلکھلا کر ہنس پڑے میں نے کنکھیوں سے دولھا صاحب کو جو دیکھا تو مجھے گھور رہے تھے۔ آرسی مصحف کی رسم ادا ہونے کے بعد تھوڑی دیر تک کچھ اور رسمیں ہوتی رہیں۔ اور دولھا میاں باہر چلے گئے۔

دولھا کے باہر جاتے ہی رخصتی کا ہنگامہ شروع ہو گیا۔ آپا کی ساس اور نندیں چاروں طرف سے مجھے گھیرے ہوئے تھیں۔ ایک طرف کوٹھری میں آپا کو رخصتی کے لئے سنوارا جا رہا تھا۔ تو باہر دکھانے کیلئے میں بھی سنواری جا رہی تھی۔ ابھی دلھن کا بناؤ سنگھار ختم بھی نہ ہوا تھا کہ باہر سے آوازیں آنے لگیں۔ گاڑی کا وقت جا رہا ہے جلدی کیجئے دیر ہو رہی ہے۔ آپا کی ساس اور نندیں باڈی گارڈ کے دستے کی طرح چاروں طرف چمٹی ہوئی تھیں اور دلھن کی رخصتی کا وقت قریب تھا۔ یہ وقت نہایت ہی نازک تھا۔ امی جان اور خالہ بی گھبرائی ہوئی تھیں اور کوشش کر رہی تھیں کہ کسی طرح کچھ دیر کے لئے رخصتی ٹل جائے۔ کسی تدبیر سے دلھن بدل دی جائے۔ ادھر آپا کے سسرال والے تھے کہ بری طرح مجھ سے چمٹے تھے۔ میرا برا حال تھا کہ یا اللہ اب کیا ہوگا۔ دل میں پنکھے سے لگ رہے تھے ـــــ چاروں طرف سناٹا چھایا ہوا تھا سب

کی عقلیں جواب دے چکی تھیں۔ سب ہواس باختہ نظر آرہے تھے۔

دلھن کی رخصتی کے وقت یوں تو عام طور پر رونا دھونا ہوتا ہی ہے لیکن یہاں عجیب عالم تھا۔ رونا تھا اور قیامت کا رونا حیرت سے ایک دوسرے کا منہ تک رہا تھا کئی بار ابا جان نے ڈیوڑھی میں آکر بات چیت کی لیکن سب بے سود۔ پالکی لگ چکی تھی رونی ہوئی آوازیں خدا حافظ کہا جا رہا تھا۔ میں آپا کی ساس نندوں کے مجمع میں خود آپا کے بجائے سسرال رخصت ہو رہی تھی اور سب محو خود تھی۔ گویا یہی وہ وقت تھا کہ ؎

بھاں بات بنائے نہ بنے ؎

نوکر نہیں ملتے

" میں نے کہا کیا ہوگئے یہ سب نوکر بھی لڑائی پر بیٹھے ہیں۔"

میرے منہ میں دہی بنی حقہ کی مثال چھوٹ اٹھی یکایک! بیگم کی عجیب شاندار ریڈیو کیلئے کسی [illegible] کی [illegible] رہ رہ کر بجتی تھیں ــــ!

ہوئی یہ لڑائی نہ ہوئی عذاب جان ہو گئی۔ بات بات کو پیچھے ڈالنگی ہے لڑائی کی وجہ سے!! اسے ہوئی اس [illegible] نوکروں کی بساط۔ ایک سے ایک میں اتنی مل جاتی تھی کہ سات سات آٹھ آٹھ مہینے تو ٹکنے کا فی! اب وہ بھی ایک ٹانگ پڑی ہے۔ میں کہتی ہوں کہ کیا یہی لڑائی پڑ جاتی ہے! اللہ تیری پناہ: زندگی اجیرن ہوتی جا .... بندگی ــــ!

میری طرف کیا دیکھ رہے ہیں آپ، آپ ہی سے کہہ رہی ہوں۔

بیگم کا روئے سخن ایکدم سے ڈائریکٹ ہو گیا میری طرف!

آپ کو تو کسی بات کی فکر ہی نہیں ــــ وہ تو شیخانی ہیں آپ کی ... چہیتی ــــ دولاری، جواب دے گئی تب میں [illegible] جیسا [illegible] ــــ چولہا ہانڈی نہ ہوسکیگا۔ ایک تو ان کا دل اسی دن ــــ اچاٹ سے جب سے ڈپٹی نے رمضانی کو نکال دیا۔ جس پر بی شیخانی کو بڑھس لگا تھا ــــ اور اب تو ہوا ایک نہ

والی بات ہی ہے کہ گرمیوں میں ان سے باورچی خانے کا کام سنبھل نہیں سکتا۔ پھر ایمان
کی بات یہ ہے کہ ـــ شیخانی کا پیٹ پیچھا ہے وہ بہت سی جوانوں سے بڑھ کر ہی
کام کرتی ہیں۔ سارے گھر کا کھانا دانہ آئے گئے کی خاطر مدارات بچوں کی دیکھ بھال!
سبھی کچھ تو ان کے سر ہے اور وہ بیچاری اُف نہیں کرتیں ـــ اور ـــ اور
ـــ آپ ہیں کہ کان پہ جوں بھی نہیں رینگتی۔ جب آدمی کیلئے کہتی ہوں تو آپ کا بس صرف
ایک ہی جواب ہے کہ لڑائی کی وجہ سے نوکر نہیں ملتے۔ یہ بالکل انوکھی بات ہے گویا
نوکر بھی لڑائی پر بھیجے جاتے ہیں؟ اصل تو یہ ہے کہ آپ کو کچھ فکر ہی نہیں! ڈھونڈنے
سے تو خدا بھی مل جاتا ہے نوکر تو نوکر ہے!

میں سر کھجا کر سوچنے لگا آخر بیگم اسوقت کہنا کیا چاہتی تھیں ـــ لیکن جانتا تھا
کہ ان سے بحث کرنا فضول، بیکار، بے سود۔ آخر میں تو وہ بھی وہی عورت ذات جسکو
دنیا ناقص العقل سمجھ چکی ہے۔ اب رہا نوکر کا سوال تو یہ کہنا کہ ڈھونڈنے سے خدا مل جاتا ہے
ـــ تو یہ واقعہ ہے کہ اس لڑائی کے زمانہ میں ممکن ہے بہت تلاش و جستجو کے بعد
کہیں خدا مل جائے لیکن نوکر نہیں ملتے۔ میں نے کیا کیا کوششیں نہیں کیں ـــ
ـــ ٹرینڈ نوکر ملنا تو [illegible] ہو سکتے نوجوان
بیکار پھرتے ہیں لیکن ان کے دماغوں میں سوائے آئی۔ سی۔ ایس۔ پی۔ سی
ایس۔ [illegible] ڈائرکٹ کمیشن کے کوئی دوسری بات سماتی ہی نہیں۔ پھر بھلا یہ
خدمتگاری۔ [illegible] زیادہ مصیبت یہ تھی کہ شیخانی کی [illegible] مشکل ہو جاتا
کیونکہ وہ [illegible] ضرورت سے زیادہ عاشق مزاج واقع ہوئی تھیں [illegible] آیا
ـــ [illegible] انہوں نے پیام دینا شروع کر دیئے اپنے نکاح کیلئے ـــ!
اب آپ ہی غور فرمایئے کہ نوکر ٹھہرے تو کیسے! اس پر طرہ یہ کہ بقول بیگم کے شیخانی

میری بھتیجی اور دلاری تھیں۔

عجیب تفاوتِ ذات کی بات تھی!

دفتر سے واپسی کے بعد اب میں بھی نکلتا ـــــ لڑکی زکیہ روزانہ سب نوکری کی تلاش میں جب نکلتا احباب اور ملنے والے بھی عاجز تھے میرے پاس سوائے نوکری کے اور کوئی دوسرا موضوع باقی نہ رہ گیا تھا۔

"بھائی جان اگر تمہاری طرف کوئی نوکری ہو تو اطلاع دینا۔"

"جی مولانا ـــــ آپ سے اتنا بھی نہیں ہو سکتا کہ ایک نوکری دلوا دیں!"

"بھائی صاحب خیال رکھیے گا مجھے نوکری کے بغیر سخت تکلیف ہے۔"

"تنخواہ جو فرمائیے گا دے دی جائے گی لیکن نوکری جلد چاہیے بہت جلد۔"

"جہاں تک بڑھا دی ہو اچھا ہے۔"

حقیقت میں میں گھبرا گیا تھا کہ اگر کوئی جوان آدمی آگیا تو شیخانی کا بوڑھا مگر شباب دل کسی طرح روکے نہ رک سکے گا۔ اور پھر ڈر یہ تھا کہ اور کچھ نتیجہ نہ جانے کیا ہو گا۔ غور تو فرمائیے شیخانی کی عمر پچاس سے کچھ اوپر ہو چکی تھی۔ معصومیت تو بس ـــــ کچھ پوچھئے نہیں۔ یعنی ان میں عورت ہونے کے کوئی آثار قدیمہ باقی نہ رہے تھے۔ بجز اس کے کہ ان کے سینہ میں بالکل بائیں طرف جہاں پر ڈاکٹر اسٹیتھسکوپ لگا کر دیکھتے ہیں ـــــ ایک دل ضرور تھا اور وہ بھی نہایت ذوق طلب نوجوانی کے خیال میں ڈوبا ہوا ـــــ اور بس؟ لیکن ہم لوگوں کے سامنے ایک بڑی دشواری اور مجبوری یہ تھی وہ یہ کہ ہمارے اور بیگم کے مشترکہ بچوں کی وہ دادی اور نانی تھیں۔ حالانکہ بیگم کے نزدیک شیخانی کے ان تمام احسانات کا بار تنہا میری ہی گردن پر تھا

دوستوں اور ملنے والوں کی کوششوں سے دو چار نوکروں کے متعلق جو کچھ معلوم ہوا وہ حقیقتاً ایسے شرائط تھے کہ میں اپنی بیگم کو طلاق دیکر اور نصف درجن کے غریب بچوں کو عاق کر کے بھی ان " شرائط " کو حاصل نہیں کر سکتا تھا جن کے نزدیک میری تمام تنخواہ معہ گرانی الاؤنس کے ان کی ضروریات زندگی کیلئے ناکافی تھی۔ ظاہر ہے کہ ایک معمولی تنخواہ کا آدمی کسی طرح اتنا بوجھ اٹھانے کی ہمت نہیں کر سکتا۔

ادھر یہ حالت تھی کہ گھر پر گھٹتے ہی بیگم " نوکر نامہ " چھیڑ دیتیں۔ اُدھر دوست احباب کے نزدیک مجھے سخت قسم کا مراق ہو گیا تھا ـــ پھر سب سے زیادہ شیخانی کے نوٹس ـــ:

- میاں جلدی انتظام کیجئے نوکر کا ـــ ورنہ !. .... ؟

- باورچی خانے جاتے ہی میرا سر پھٹنے لگتا ہے ـ

بیوی یہ دس دس کام مجھ سے نہ ہو سکیں گے کہ بچوں کو بھی سنبھالوں اور چولھا ہانڈی بھی کروں۔

- دنیا بھر سے نوکر اُڑ جاتے تو ساری دنیا کا کام کیسے چلتا ـ. . . . .

. . . . میاں کو کچھ فکر ہی نہیں۔ " !

- بیٹھے بٹھائے رمضانی و نکما مرا بیچارے کو ـ چپ چپ ......!

شیخانی ٹھنڈی سانس بھرنے لگتیں گویا کہ ـ زبان پہ بارِ خدایا یہ کس کا نام آیا ـ

کئی بار میں نے سوچا کہ کہدوں شیخانی سے کہ جبھی آپ نخرے کرتی ہیں تو تم ہی کوئی کام کیا کرو ـ لیکن ڈرتا تھا تو اس بات سے کہ شیخانی سے زخم دل ابھی ہرے ہیں رمضانی کا غم فراق ابھی تازہ ہے فوراً ہی وہ کہدیں گی کہ رمضانی کو کیوں نہیں رکھ لیتے ـــ

میاں آپ! اور یہ مجھے کسی طرح پر منظور نہ تھا۔

جو کچھ بھی ہو مگر خدا لگتی تو یہی ہے کہ یہ مولانا لوگ جہاں ایک طرف خدا ڈھونڈ لیتے ہیں ـــــ تو دوسری طرف تنواؤں کیلئے بیویاں ـــــ بے نوکروں کیلئے نوکر ـــــ اور بیواؤں کیلئے شوہر ڈھونڈھنے میں بھی کافی مشاق ہوتے ہیں چنانچہ اس ایسے نازک موقعہ پر جبکہ وہی چار دن میں شیخانی ہم لوگوں کو داغِ مفارقت دینے والی تھیں۔ مولانا جانے کہاں سے ایک نوکر ڈھونڈھ ہی لائے۔ نوکر کیا! اچھا خاصا نگر وٹے ہٹا کٹا موٹا تازہ نوجوان جسکو دیکھ کر شیخانی تو شیخانی ہیں اچھے خاصے صبر آزما دل بھی پسل جاتے! اور پھر تنخواہ بھی معمولی! ظاہر ہے کہ شیخانی کی طرف سے بالکل اطمینان نہ تھا مگر ایسے نازک وقت میں اس سے اچھا نوکر ملتا بھی تو نہیں تھا؟ مولانا کی زبانی معلوم ہوا کہ اس کے ماں باپ کوئی نہیں ہیں اور حال ہی میں مشرف بہ اسلام کیا ہے مولانا نے اسے! میرے لئے اس سے زیادہ کیا نعمت ہوسکتی تھی کہ اس کے نہ گھر نہ بار نہ بیوی نہ بچے! یہ بھی خطرہ نہیں کہ کہیں بھاگ جائیگا۔

بیگم کو جب میں یہ خوشخبری سنا رہا تھا تو میں نے دیکھا کہ دروازے کی آڑ میں شیخانی بھی موجود تھیں! اس کا حلیہ، عمر اور کمسنی کا حال سنکر اُن کے چہرے پر سرخی دوڑ گئی اور ان کو پھریریاں آنے لگیں ـــ میرے نظر پڑتے ہی حسبِ معمول شرما کر شیخانی نے دوپٹہ سے اپنا جھریوں دار چہرہ چھپالیا ـــــ!

دوسرے ہی دن مولانا اسے لیکر پہونچ گئے۔ معلوم ہوا کہ اس کا اسلامی نام غلام محمد رکھا ہے مولانا نے ـــ رسمِ تعارف کے بعد ہم نے بیگم اور اپنی طرف سے مولانا کا شکریہ اتنے شاندار الفاظ میں ادا کر دیا کہ مولانا کا دل باغ باغ ہو گیا۔ اور ان کی داڑھی ہوا میں لہرانے لگی۔ بیگم نے اس سلسلہ میں مولانا کو ایک چائے بھیجی اور مٹھائی ـــــ یہ

تو گویا ان کا حق ہی تھا۔

امجد، کو ضروری کاموں کی تفصیل جب بتلائی گئی تو معلوم ہوا کہ کھانا پکانا کچھ بھی نہیں جانتا ۔۔۔ مگر بی شیخانی جو کل تک باورچی خانے میں جاتے ہی دردِ سر میں مبتلا ہو جاتی تھیں ۔۔۔ آج اس پر تیار تھیں کہ غلامی، اوپر دری کا کام کر لیا کرے اور باورچی خانہ یہ خود سنبھال لینگی۔

لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ شیخانی نے یہ بھی وعدہ لے لیا کہ وہ غلامی، کو کھانا پکانا ضرور سکھا دینگی ... تھوڑے ہی دنوں میں وہ کھانے پکانے سے بخوبی واقف ہو جائے۔

مختصر یہ کہ یہ تمام شرائط بیگم کی صدارت میں شیخانی اور غلامی کی مشترکہ کانفرنس نے منظور کر لئے۔ ا میرے کاندھوں کا بہت بڑا بوجھ ہلکا ہو گیا ۔۔۔ اور آئے دن بیگم کے طعنے، دھمکیوں کا ... شیخانی کے نوٹس خدا خدا کر کے ختم ہو گئے۔

غلامی، کے متعلق میرا نے جس قدر کہا تھا اس سے بہتر کامیاب ثابت ہوا تھا وہ شروع شروع میں ہفتہ دو ہفتہ تک تو اسے وحشت سی رہی مگر رفتہ رفتہ ہم لوگوں سے اس کی نیت بالکل دور ہو گئی۔ شیخانی ... بھی آج نمانی سے کم ... سے زیادہ ہوتی تھیں۔ اور غلامی کی سکون بخش جوانی ان کیلئے ایک ایسی ... ثابت ہو رہی تھی۔ کہ باورچی خانے ... کے جہنمی ماحول سے اب ان کا دل بالکل نہیں گھبراتا۔ بلکہ جب تک وہ غلامی سے کوئی نہ کوئی کام نہ لیتی تھیں ان کے ... ان سے سکون ہی نہ آتا ۔۔۔ اور جو کسی نے ذرا بھی کوتاہی کی ... گئی تھیں ۔۔۔ تو پھر یہ کام ہو چکا ۔۔۔ یا تو آپ لوگ اپنا ہی کام لیں غلامی سے! یا یہ کھانا ہی پکانا سیکھ لے! شیخانی کے غرے ساری

گھر کو اٹھانا پڑتے اسی لئے کہ اگر وہ ناراض ہو کر چلی گئیں تو نہ محض اتنا شفیق نوکر نہ ملے گا بلکہ ان آدھے درجن کے قریب بچوں میں سے ضرور کوئی نہ کوئی تڑک کر جان دیدے گا ان کے پیچھے ــــ!

غلامی بھی شیجانی کی شفقتوں کے دن بدن گرویدہ ہوتے جارہے تھے۔ کبھی ہانڈی میں سے بھونا بھونا گوشت نکال کر نمک چکھایا جاتا تو انہیں غلامی کو ــــ اصلی دیسی گھی ڈالا جاتا تو غلامی کی پلیٹ میں۔ ناشتہ کیلئے بچی ہوئی پوریاں پہلے ہی سے نکال لی جاتیں تو انہیں کیلئے۔ رمضانی کی خاطر مدارات بھی ہوتی تھی لیکن غلامی نے اس بری طرح شیجانی کے دل کو گھائل کر دیا تھا کہ رمضانی سے زیادہ ان کی خاطریں ہونے لگیں۔! بیگم اپنی آنکھوں سے اپنا گھر اجڑتے دیکھ رہی تھیں ــــ مگر لب نہ ہلا سکتیں! تھوڑے بہت واقعات میری نگاہوں کے نیچے بھی آجاتے لیکن میں بھی چپ تھا کیونکہ گھر کی انچارج تنہا بیگم تھیں۔ دوسرے اگر میں ان معاملات میں دخل دیتا تو اس کے معنی یہ تھے کہ بہت جلد مجھے دوسرے نوکر کی تلاش شروع کر دینا پڑتی۔! تھوڑے ہی دنوں میں شیجانی نے اپنے غلامی کو اچھی طرح پھانس لیا تھا اور ہم لوگ اپنی نگاہوں سے وہ سب کچھ دیکھ رہے تھے جو نہ دیکھنا چاہیئے تھا ہم لوگوں کو لیکن سوائے صبر کے چارہ ہی کیا تھا! کبھی کبھار بیگم کو غصہ آجاتا تو اس خوف سے کہ مجھے دوسرا نوکر نہ تلاش کرنا پڑے! میں ان کو سمجھا بجھا کر خاموش کر دیتا ــــ!

لوگ کہتے ہیں کہ صبر کا پھل میٹھا ہوتا ہے۔ مگر میرا تجربہ اس کے بالکل خلاف تھا۔ ہم لوگوں کی خاموشی اور چشم پوشی دن بدن خطرناک سے خطرناک صورت اختیار کرتی چلی جارہی تھی۔ اور شیجانی کا جذبۂ عشق نہایت زوروں پر بھڑک اٹھا تھا ــــ یہی نہیں بلکہ رفتہ رفتہ گھر کے کام کاج اور بچوں کی دیکھ بھال میں بھی فرق آنے لگا ــــ

ظاہر تھا کہ بیگم ہی کیلئے نہیں بلکہ خود میرے لئے یہ صورت ناقابل برداشت تھی۔ مگر سوال تھا تو یہی کہ نوکر نہیں ملتے! محرم مشکل ورنہ محرم مشکل دالا مضمون تھا۔

ابھی دو چار ہی مہینے ہوئے تھے کہ غلامی پھر۔ غلام محمد۔ ہو گئے! بالاں بیں دکر آنے والا بادشاہ، دھاری دار قمیص، کنٹرول کی مارکین کا پاجامہ! شیخانی نے پیسہ پیسہ جوڑ کر جو کچھ بھی جمع کیا تھا! غلام محمد پر صرف ہونے لگا۔ ورنہ خود ان کی آمدنی ظاہر تھی! خشخشے بالوں کی بجائے اب غلام محمد نے انگریزی بال رکھ کر باقاعدہ طور پر ان میں تیل ڈالنا اور کنگھی کرنا بھی شروع کر دیا تھا — بیڑی کا بنڈل تو ہر وقت جیب ہی میں رہتا۔ دھر شیخانی بھی بنک سکھ سے بکھ نے کی کوشش کر رہی تھیں — دنیں کئی کئی بار منہ دھونا، کنگھی کرنا، باقاعدہ دانت مانجھنا — یہی کچھ شروع ہو گیا تھا — یوں سرمہ تو روز ہی لگاتی تھیں اب بیگم کیلئے یہ مناظر قریب قریب ناقابل برداشت ہو چکے تھے۔ لیکن میرے سمجھانے بجھانے سے خاموش تھیں اور میں ڈر رہا تھا کہ اگر شیخانی چلی گئیں ان آدھے درجن کے قریب یتیموں کا کیا حال ہوگا — دوسرے پھر وہی نوکر کا سوال بجائے خود ایک مسئلے ہی حیثیت سے کم نہ تھا۔

اپنی آنکھوں سے اپنے بچوں کی یتیمی کا داغ ممکن ہے کہ قابل دید نہ ہو سکتا لیکن بیگم کے طعنے اور دستوں کا غصہ — ایک کوفت ایسی نہیں تھی جس کو آسانی کے ساتھ برداشت کر لینے پر میں تیار ہو جاتا۔ شیخانی کو سمجھانے کے معنی بھی یہ تھے کہ بیٹھے بٹھلائے آگ پر تیل چھڑک دیا جائے! غلامی کو نصیحت کرنا بھی گویا شیخانی کے جذبہ عشق کو ایک قسم کا الٹی میٹم ہی دینا تھا — غرضیکہ ہم لوگ بری طرح شش و پنج میں پڑ گئے تھے — اور ابھی اس مسئلہ پر غور ہی کر رہے

تھے کہ کیوں نہ غلامی کو جواب دے دیا جائے۔ شاید کسی طرح شیخانی کی محبت میں کوئی تبدیلی پیدا ہو سکے کیونکہ رمضانی کے ہٹا دینے پر رفتہ رفتہ شیخانی کا جذبہ محبت خود بخود سرد پڑ گیا۔ کیونکہ بہت دنوں تک اس رمضانی کے فراق میں اس حد تک بے حال تھیں کہ مرنے جینے کا ہوش باقی نہ تھا ——— پھر آخر صبر آ ہی گیا ——!

ہم اور بیگم ابھی یہی سوچ رہے تھے کہ ایک شام کو —— یعنی جمعہ کی شام کو! شیخانی معہ اپنے نور نظر غلامی کے غائب ہو گئیں میرے بچوں کو ہڑکتا چھوڑ کر۔ جیسے کیسے بیگم نے چولہے کا منہ پھونکا بچوں نے تمام رات بری طرح رو رو کر گذاری ـ!

سویرا ہوا تو شیخانی آئیں دلھن بنی ہوئیں ـ شاہانہ جوڑا پہنے کچھ لجائی ـ کچھ شرمائی ——— معلوم ہوا کہ رات کو غلام محمد صاحب سے عقد فرما لیا ہے! آپ حساب لینے کیلئے تشریف لائی ہیں ——— بیچارے بچے کیا سمجھتے کہ ایک شب کی بیاہی دلھن ان کی ماں نہیں بن سکتی ـ! چاروں طرف سے چمٹ گئے، مارے غصّے کے بیگم کا برا حال تھا —— لیکن میں یہی سوچ رہا تھا کہ اب کیا ہوگا۔ نوکر تو کہیں ملتے نہیں ——!

"یہ ریڈیو والے"

ہا......... ئے! رسولن نے ماتھے پہ ہاتھ مارتے ہوئے کہا ـــــ ۔ آج تو اس بنّو کی بچی نے غضب ہی کر دیا ہے اب میں کیا کہوں آپ سے۔

کیا ہوا خیر تو ہے رسولن ۔ بیگم کی انگلیاں سروتہ کی گرفت پر جم کر رہ گئیں۔!

بس کچھ نہ پوچھئے بیگم ساب! رسولن کی سانس پھنچے ہوئے سینے میں پھڑپھڑانے لگی میرے تو ہوش اڑ گئے۔ ہائے یہ حرام زادی بنّو کی بچی ـــ خدا غارت کرے موئی کو ـــ اللہ سمجھے رنڈی ـــ کمین ـــ بیسوا .... ! آخر ہوا کیا۔ بیگم نے پوچھا ـــ ؟ کیا کیا بنّو نے!

کیا کیا ـــ بیگم صاحب! رسولن بولی ـــ اگر میں آپ سے بیان کر دوں ـــ تو آپ مجھ کہنے والی کو ابھی زندہ جان چنوا دیں! اور اس نصیبوں پیٹی کا تو کہیں بھی ٹھکانا نہ رہے ـــ!

ـــ سنا رسولن ۔ بیگم کو تاؤ آگیا ۔ مجھے تیری یہ گول مول باتیں اچھی نہیں لگتیں ۔ اگر کہنے والی بات نہیں تھی تو میرے سامنے ذکر ہی کیوں کیا ـــ اور جب ذکر کیا تو پوری بات بتانا ہوگی مجھے! ورنہ ـــ جانتی ہے میں بُری طرح پیش آؤں گی۔

جی ـــ بیگم ساب! آپ کے اسی غصے سے تو ہم بولتے ہوئے ڈرتی ہیں ـــ رسولن نے

کانپتے ہوئے کہا اور رونی صورت بنادی۔

بیگم نے مسکرا کر پوچھا۔ میں کہتی ہوں آخر ہے کیا۔؟ پوری بات کیوں نہیں کہتی۔ بیان کرو میں خفا نہ ہوں گی۔؟

"آپ کو اللہ کی قسم ۔۔ رسولن نے نگاہیں نیچی کر لیں۔ چھوٹے میاں سے نہ کہیئے گا ورنہ میرے سر میں ایک بال بھی باقی نہ رہے گا ۔۔۔ اور ۔۔۔ اور ۔۔۔ ان کی کوئی خطا نہ ہوگی ۔۔۔ یہ جو بنو حرامزادی ہے خود ہی ....!

چپ کیوں ہو رہی پوری بات کیوں نہیں بتاتی آخر!

بیگم رسولن سے کچھ اور قریب ہوگئیں۔

"حضرت بی بی کی مار پڑے مجھ پر جو جھوٹ کہتی ہوں آپ سے! رسولن نے سلسلہ بیان جاری رکھتے ہوئے کہنا شروع کیا۔ آج جب میں بڑے کمرے کے حمام سے میلے کپڑے اٹھانے گئی .... تو (رسولن کی زبان لڑکھڑانے لگی) .... تو یہ ہوا .... کمرے کے دروازے بند تھے .... اور ۔۔۔ وہ جو صوفہ بچھا ہوا ہے مسہری کے پاس اس پر چھوٹے میاں لیٹے ہوئے تھے! زمین پر ...... یہ حرامزادی بنو بیٹھی ...... آپ ہی سے گئی تھی ۔۔۔ چھوٹے میاں نے چڑیل کو بلایا بھی نہ ہوگا۔ میں سچ کہتی ہوں اس میں چھوٹے میاں کی کوئی غلطی نہیں تھی ۔۔۔ یہ خود ان کے پاس گئی ہوگی۔

"ہاں پھر کیا ہوا رسولن (بیگم نے رازدارانہ انداز سے پوچھا) اور کیا دیکھا۔

"اور کچھ نہیں ۔۔۔ چھوٹے میاں نے کچھ نہیں کیا۔ ان کی کوئی غلطی نہیں تھی۔ رسولن برابر چھوٹے میاں کی صفائی دے رہی تھیں۔ اس مال زادی بیسوا نے خود ان کے زانو پر سر رکھ دیا ہوگا ۔۔۔ اور پھر تو وہ مرد تھے! کہنے لگی قطامہ۔ حرامزادی کہ آپ مجھ سے بیاہ کر لیں وہ بالکل رضامند نہیں ہوئے ...... بس میں نے اتنا ہی دیکھا۔ اللہ میری توبہ!

ابتک جب یاد کرتی ہوں پسینے میں شرابور ہو جاتی ہوں (رسولن کی سانس پھولنے لگی)
—— بیگم صاحب میری لاج آپ ہی کے ہاتھ ہے! اب اگر سن لیا چھوٹے میاں نے،
مار ہی ڈالیں گے مجھے ——!

بیگم پر کچھ دیر کیلئے سکتہ سا چھا گیا!

یہ حرامزادی بنو کی بچی —— میں تو پہلے ہی سے کھٹکی تھی کہ کچھ نہ کچھ دال میں
کالا ہے —— اس کے طور طریقے اللہ جانتا ہے رسولن نے مجھے کبھی ایک آنکھ نہ بھائے
—— اللہ۔ میری رسولن۔ سچ کہنا ...... کبھی اور کچھ بھی دیکھا —— بیگم نے مزید تحقیقات
شروع کر دی۔

آپ کے قدموں کی قسم۔ رسولن بولی۔ اس سے پہلے میں نے چھوٹے میاں کو
کبھی نہیں دیکھا —— اور کچھ نہیں دیکھا —— وہ تو بیچارے بڑے سیدھے ہیں ——
اور یہ میری سوت بنو —— یہ تو بچپن ہی سے ایسی ہے!

کیسی ہے! بیگم نے پوچھا۔

۔ ارے یہی بنو، جب کنواری تھی! اس موئے کے بچے رحمت سے اس کا میل!
جنو پر یہ جان دیتی تھی جو منجھلے میاں کے پاس نوکر تھا بھاگ گیا —— سبھی جانتے ہیں ——
تو بدمعاش تھا۔ کم بخت۔! رسولن نے بنو کی گناہ بھری زندگی کی صداری داستان کہہ ڈالی
دو لفظوں میں۔

میں کہتی ہوں! بیگم آہستہ سے پوچھنے لگیں۔ ان ... کے متعلق تو نے کبھی اور
کچھ سنا ——!

۔ چھوٹے میاں ..! میری گور میں کیڑے پڑیں بیگم صاحب، اگر آپ سے جھوٹ
بولوں میں نے کبھی نہیں سنا۔ رسولن نے گرنا شروع کیا! دینے تو مرد ہیں۔ نا برا

اکثر ان کے دوست احباب جمع ہو جاتے ہیں تو میں نے خود دیکھا ہے کوئی نہ کوئی عورت زور زور سے گاتی ہے بولتی سب ہے!! اور کچھ نہیں دیکھا کبھی ــــ!

کیا باتیں ہوتی ہیں ــــ بیگم بولیں!

"وہ باتیں! رسولن نے جواب دیا ــــ اب نہیں بیاہ سے پہلے جب سب لوگ جمع ہوتے تھے تب ہوتی تھیں! میری توبہ ــــ ایسی باتیں ہوتی تھیں ــــ اللہ میری توبہ (رسولن اپنے گالوں پر ہلکے ہلکے طمانچے لگانے لگی۔ کچھ نہ پوچھیے بیگم صاحب!"

اتنے میں سامنے سے چھوٹے میاں آتے ہوئے دکھائی دیئے ــ رسولن جلدی سے باہر چلی گئی اور وہ کمرے میں آکر بیٹھ گئے۔

شام کے سات بجتے ہی چھوٹے میاں کے کمرے میں اچھا خاصا مجمع لگ جاتا بیگم دانی پیا، ملازم کے ، رسولن ، سارہ بیٹو۔ اور حسنات اس طرح ریڈیو کو گھیر کر بیٹھ جاتیں جیسے سینما کے پردے پر تماشائی نگاہیں جما لیتے ہیں۔ چھوٹے میاں نے سوئچ دبایا کہ فرمائشوں کا سلسلہ اس طرح شروع ہو گیا جیسے کسی گانے کی محفل میں فن جاننے والے تماشبین فرمائش کرتے ہیں۔

"وہ ــــ دادرا ــــ تو آپ کو یاد نہیں ہے ــــ آؤ ــــ آؤ ساجن ۔۔۔!"

"باجی جی ــ ــــ وہ غالب کی غزل شروع کیجیے جس کا بول ہے

"تم نہ آئے تو کیا سحر نہ ہوئی"

"سینہ پر بجا" یا نسیم کا گایا ہوا کوئی گیت تو آپ کو یاد نہ ہوگا ــــ"!

"اجی صاحب بند کیجیے مشاعرہ ــــ کوئی پھڑکتی ہوئی چیز سنائیے۔

"استاد جی ــــ میں نے کہا کوئی بھجن عنایت ہو بھجن شــ!

• ارے بھئی ہینا چینا نہیں جانتیں ——— بالکل ....؟

• وقت کی چیز شروع کرد ——— ؟

چھوٹے میاں کے کمرے کا بھی یہی حال تھا گویا ——— !

بیگم کا حکم تھا ——— !

دِلّی لگائیے ——— قوالی سُننے کو جی چاہتا ہے ——— !

رسولن کی فرمائش !

میرے میاں ——— اللہ ہی بچائے نا ——— موا نیہر چھوٹا جائے !

جنت کیوں خاموش رہتی۔

چھوٹے میاں آپ کے ہاتھ جوڑیں۔ وہی سُنا دیجئے ——— بشیام

کی مرلیا ، باجے !

بتو نے اس جھڑک کے باوجود رسولن کو مخاطب بنالیا۔

رسولن بلکی ——— میری ...... ! وہ بجاؤ ——— ! جھنکار رے آؤ سانجن !

صابرہ بھی پانچوں سواروں میں تھی۔

بیگم صاحب ! مجھے تو پنجابی گانا بڑا اچھا لگتا ہے ——— !

اور بیچارے چھوٹے میاں کی جان سخت عذاب میں تھی ! کیونکہ یہ کمبخت ریڈیو والے اپنی ہی گائے جاتے ہیں کسی کی سنتے ہی نہیں ! پھر خبروں کا معاملہ۔ اس لڑائی کے زمانہ میں کون ایسا ہوگا جو ریڈیو رکھ کر بھی خبریں نہ سنے ! ظاہر ہے کہ چھوٹے میاں کس طرح اس قیمتی وقت کو برباد کر دیتے ! ریڈیو کی سوئیاں چاروں طرف نمبروں پر گھوم گھوم کر آ رہی تھیں۔ یہ دلی ہے ، ہم لکھنؤ سے بول رہے ہیں ، لاہور ، پشاور ، حیدرآباد کے راگ الاپ رہی تھیں۔ اور فرمائشوں کے مسلسل اختلافات کسی جگہ پیر دم نہ جمنے دیتے ! ان کی جان عجب

مصیبت میں تھی نہ ریڈیو اپنے قابو کی چیز! نہ یہ عورتیں اپنے بس کی۔ سچ پوچھئے جن کی جان کو جنجال نہ ہو وہ بیٹھے بٹھلائے ریڈیو خرید لے! پھر کیا ہے! محلہ والے، شہر والے دوست احباب، عزیز اقربا، سبھی چراغ جلے سے موجود ___ اور اگر جان بچانے کیلئے گھر کے کسی کونے میں رکھ دیجئے تو ___ بیگم کا حکم، رسولن کی فرمائش، بہو کی خواہش غرضکہ ہر طرح یہ مصیبت! گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل ___! چھوٹے میاں کیلئے بھی یہی جھگڑے تھے جن سے گھبرا کر وہ گڑیوں کو کاٹ دربہ ہی پھونک دینا چاہتے تھے، مگر چار دن کی بیاہی نئی دُلہن کا خیال مجبور کر دیتا ان کو ___!

گھوڑا ___ بیلچ ___ ندی کی باڑھ ___ اور عورت کی بدگمانی! اس تیزی کے ساتھ بڑھتی ہے جیسے طوفان میں! جس گھر میں بدگمانی کی آگ لگ جاتی ہے ___ وہاں بجھانے والوں کے پانی سے بھرے گاگر ___ سرسوں کا تیل بن جاتے ہیں۔ نیک صلاح دینے والوں کی فیصلہ کن باتوں سے طرفداری کی بو آنے لگتی ہے! چھوٹے میاں کے گھر کا بھی یہی حال تھا۔ چار دن کی بیاہی دُلھن! امنگوں بھری باتیں، شباب اور محبت کے لاشعوری نغموں سے دور ___ رسولن کے بیان کئے ہوئے دل دکھانے والے واقعات پر کروٹیں بدل بدل کر آنکھوں ہی آنکھوں میں رات کاٹ دیتی!

رسولن قسم۔ کی عورتوں کو مشرقی تہذیب و تمدن کے گھرانوں میں بڑا ہی ممتاز درجہ حاصل ہوتا۔ جیسی سلطنت رسولن کی تھی دراصل "لڑاؤ اور حکومت کرو" کا فلسفہ اس طبقے سے بہتر آج تک نہ کوئی سلطنت سمجھ سکی نہ حکومت! یہی وجہ تھی کہ رسولن نے آئے دن کی ریشہ دوانیوں سے اس گھر میں اچھا خاصا وقار قائم کر لیا تھا ___

بنو ایسی منہ چڑھی خادمہ رسولن کی تدبیروں سے اس طرح الگ کر دی گئی ___

جیسے دودھ کی مکھی۔ اور ــــــ جنت، صابرہ، گلشن یہ سب تو ابھی چھوکریاں تھیں ــــــ کمسن چھوکریاں ــــــ ان کی بہار کا زمانہ ابھی بہت دور تھا۔ ــــــ رسولن کی ایسی کرگس دیدہ ان بہنیوں کو بارآور ہونے سے پہلے قطع کر دیگی۔

چھوٹے میاں گھر کی حالت کا خوب اندازہ لگا چکے تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ ان کی کھائی ہوئی قسموں کا اعتبار بیگم کی نگاہوں سے اُٹھ چکا ہے۔ اس معاملے میں سمجھانا بجھانا محض فضول و بیکار ہے۔ ! الغرض ادھر سمجھ لڑکی آخر کسی نہ کسی دن سمجھ ہی جائیگی ــــــ بہت زیادہ صفائی دینے سے بعض وقت جرم کی اہمیت سنگین سے سنگین تر ہو جایا کرتی ہے۔ اس لئے وہ بالکل خاموش رہتے۔ ریڈیو بھی بجتا تو تنہائی میں۔ ۔ کمرہ بند کر کے۔ دالانوں میں آنا جانا بھی کم ہو گیا۔ اور بیگم تو گویا بالکل ہی ــــــ ناراض تھیں۔

[illegible] ان کے بڑھاپے پر ادھر دو سے راتیں [illegible] ہو رہے تھے۔ [illegible] کی کو [illegible] ــــــ باورچی خانے کا انتظام ان کے سپرد ــــــ گھر کے تمام چھوٹے بڑے خرچے ان کے ہاتھ میں ــــــ بنّو ــــــ صابرہ ــــــ اور جنت پر حکومت ان کی ــــــ بیگم ایک معزول بادشاہ کی طرح رسولن کے اشاروں پر ناچ رہی تھیں ــــــ کیونکہ رسولن نے بیگم کو یقین دلا دیا تھا کہ عنقریب وہ چھوٹے میاں کی ناپاک اور گناہ آلود زندگی کا ایک ثبوت خود بیگم کو دکھا دیگی ــــــ اور بیگم اسی بات پر جی رہی تھیں کہ بہت جلد وہ اپنے شوہر کی نگاہیں سامنے جھکی ہوئی دیکھیں گی۔ ۔ [illegible] کی بیویاں اپنے شوہروں کے عیب [illegible] ڈھونڈھنے کی جستجو آرزو [illegible] کی ہلاکت آفرینی [illegible] آبادی میں کافی اضافہ ہو گیا ہے۔ ان عورتوں میں چاہے ذاتی طور پر [illegible] نہ ہو سکیں جہاں پر شوہروں کے چال چلن کا بین الاقوامی مسئلہ پامال ہو جاتا ہے یہ سب ایک [illegible] ہیں۔ بیگم میں بھی جذبہ کا قطرہ

تھا۔ اور رسولن نے بڑی طرح یہ فریب دے رکھا تھا کہ چھوٹے میاں کی سیاہ اور تاریک زندگی عنقریب بے نقاب ہوا چاہتی ہے! اور یہ حرامزادی بنّو کی بچی .... خدا اسے غارت کرے! بیگم کا چہرہ تمتما اٹھتا جب انہیں یہ خیال آجاتا کہ یہ بنّو میرے سہاگ کی ساجھے دار بننا چاہتی ہے ــــ کمینی ــــ بدذات! میرے شوہر پر اپنی بیباک نگاہوں کے ڈورے ڈالنا چاہتی ہے ــــ خوبصورتی ــــ جوانی ــــ رعنائی کس چیز میں وہ مجھ سے بڑھ کر ہے۔ ہاں [illegible] بیاہ کا ڈھلا ہوا پانی...... توبہ میری آنکھوں میں ہوتا ــــ چمکیلی ــــ خوفناک ــــ بنّو کی سی آنکھیں جن میں شرم و حیا کا نام بھی نہیں کولھے مٹکاتی چلتی ہے چڑیل پرائے مردوں کو رجھانے!

بیگم [illegible] ہوئی [illegible] باہری عورت کو دیکھ کر اس طرح بدگمان کیوں کھو بیٹھتی ہیں جیسے [illegible] عورت [illegible] ہیں! گھر میں چاہے کیسی ہی خوبصورت سی خوبصورت بیوی ہو ــــ مگر [illegible] ــــ سب دل پر ڈانواں ڈول پھرتے ہیں ــــ ان کی [illegible] آنکھوں پر ...... لچکتی ہوئی کمر پر ــــ عریاں لباس پر ــــ مسکراہٹوں پر! بناوٹی اور جھوٹی اداؤں پر ــــ یہ جو قسمیں کھاتے ہیں سیکڑوں اللہ جانے رسولن ان کی کیا لگی بیرن ہے۔ تو سے اس کا کون ــــ سوتیلا تا ــــ سچ مچ بیٹ وہ [illegible] معلوم ہوتے ہیں صورت چاہے جن مسکینوں جیسی بنا لیں ــــ مگر ان کے دل کا چور بیگم خوب سمجھتی ہیں [illegible] ہیں ــــ [illegible] کم ہیں۔ بات بات پر قسمیں کھانا ہوا ــــ بس [illegible] ہیں مکر۔

[illegible] بیٹھ [illegible] لگ کر بیٹھ گئیں۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہواؤں نے ان کی آنکھوں پر ہلکی ہلکی غنودگی کا باریک سا پردہ ڈال دیا تھا ــــ سارے گھر کا گھر کام کاج میں مصروف و منہمک تھا۔ نہایت [illegible] عالم میں رسولن نے [illegible]

"بیگم صاحب، بیگم صاحب"

بیگم نے گھبرا کر آنکھیں کھول دیں ـــــ رسولن نے ہاتھ کے اشارے سے چپ ہو جانے کی ہدایت کرتے ہوئے دھیرے سے کہا!

"ذرا میرے پیچھے چلی آئیے"

"کہاں"۔ بیگم نے آہستگی کے ساتھ پوچھا ـــــ

"میاں کے کمرے تک"۔ رسولن نے جواب دیا ـــــ

بیگم جلدی سے اٹھ بیٹھیں ـــــ ان کا دل زور زور سے دھک دھک کر رہا تھا ـــــ اور غصے کے مارے ان کے سارے بدن میں کپکپی سی پیدا ہو گئی تھی۔ ننگے ہی پاؤں رسولن کے پیچھے پیچھے ہولیں ـــــ چھوٹے میاں کا کمرہ قریب ہی تھا بات کی بات میں دونوں کمرے کے دروازے پر پہنچ گئے! کمرے کے اندر اندھیرا گھپ تھا اور دروازہ بھڑا ہوا۔ رسولن نے بیگم کا ہاتھ دباتے ہوئے کہا ـــــ

"سنیئے"

بیگم نے دل کڑا کر لیا ـــــ دانت بھینچ لئے! اندر سے کوئی عورت چیخ رہی تھی!

"کمینے ـــــ بدذات ـــــ بدمعاش ـــــ چھوڑ دے ـــــ چھوڑ دے! مجھے چھوڑ دے ـــ میری زندگی ـــــ آہ میرا جیون تباہ کر ـــــ برباد کر ـــــ اپنے خدا کے لئے چھوڑ دے مجھے!"

بیگم نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پکڑ لیا اور وہیں زمین پر بیٹھ گئیں ـــــ آوازیں برابر آ رہی تھیں ـــــ!

"ظالم ـــــ میری زندگی ـــــ میری آبرو ـــــ اور میرا سب کچھ لوٹ کر تو شکر نہیں پا سکتا ـــــ چین نہیں پا سکتا ـــــ او ـــــ پاپی ـــــ ......!"

دوسری سوانی آواز گونج رہی تھی ـــــ

"نہیں ـــــ عشرت ـــــ نہیں! تم ـــــ تم آج میری تمناؤں کا خون کرکے نہیں جاسکتیں ـــــ ہرگز نہیں جاسکتیں! یہاں سے!"

ایسا معلوم ہورہا تھا جیسے ظالم ہوس نے اس بے بس عورت کو اپنے پنجۂ ہوس میں دبوچ لیا ہے۔

ایک ہلکی سی نسوانی چیخ سارے کمرے میں گونج گئی ـــــ!

بیگم نے دوہتڑ مار کر دروازہ کھول دیا ـــــ اور چشم زدن میں رسولن اور بیگم کمرے میں پہونچ گئیں۔ رسولن نے بڑھ کر بجلی کا سوئچ دبایا ـــــ سارا کمرہ برقی شعاعوں سے جگمگانے لگا۔ بیگم زار و قطار رو رہی تھیں اور رسولن کی آنکھوں میں کسی مرد کی سہمی ہوئی منفعل آواز پھر کانوں میں گونجنے لگی ـــــ!

"عشرت۔ مجھے معاف کردو ـــــ اپنے خدا کیلئے بخش دو۔ بخش دو میں گنہگار ہوں ـــــ پاپی ہوں مجھے معاف کردو ـــــ عشرت ـــــ"

ہچکیاں لیکر روتی ہوئی عورت کی آواز آرہی تھی بیگم پر ایک سکتہ سا ہوگیا تھا۔ رسولن دم بخود تھی کہ پھر آواز آئی!

"یہ لکھنؤ ہے ابھی آپ "پاپی" ڈرامہ سن چکے ہیں۔ اب آپ کو بنارس کی رسولا بائی ایک گیت سنائینگی جس کے بول ہیں ـ اندھیارا چاروں اور ـــــ اندھیارا۔!

بالکل اسی وقت چھوٹے میاں کمرے میں داخل ہوتے ہیں۔

"ہائیں ـــــ یہ ...... یہ ـــــ ریڈیو کس نے کھولا ـــــ؟"

یکبارگی سب کی نگاہیں ریڈیو کی لال لال روشنی پر جا پڑیں ـــــ بیگم دوڑکر چھوٹے میاں کے قدموں پر! اور رسولن کمرے سے باہر چلی گئی ـــــ یہ کہتی ہوئی!

"اخوہ ـــــ یہ ریڈ والے۔"

تھارو دیس

"تین تین دن ناغہ کر کے دودھ لاتی ہے لے جا! مجھے نہیں چاہیئے —— پیسوں سوموار کو آ کر اپنا حساب لے جانا!" مشین بابو نے غصہ میں رعب جھاڑتے ہوئے کہا۔

"نہیں بابو جی —— آج تین دن سے [illegible] پڑے تھے۔ اسی مارے دودھ نہ آ سکا۔ میری بھیا [illegible]

اس نے رونی صورت بنا کر [illegible]!

تیری بھیا کو سالے! بھگا لے گیا —— مشین بابو [illegible] —— [illegible] کہاں بھگا لے گیا —؟

سنا ہے —— نوابی بھگا لیگیا ہے —— تھارو دیس ——!
خوبصورت لڑکی کی آنکھوں میں آنسو چھلک آئے ——!

تھارو دیس —— نوابی!
مشین بابو کے حیرت کی انتہا نہ رہی۔

پھر —— تھانے میں رپورٹ نہیں لکھوائی —— بابو نے کہا!
بابو غریبی میں بچہ بنانے نہیں رہتا —— اور پھر بڑی ندی میں بہیا بھی تو ہے —— تھانے جانا مشکل! اس نے جواب دیا۔

چھ —— چھ —— بابو افسوس کرنے لگے۔
ہندوستان کی غریبی کا یہ حال ہے کہ آبرو بچانا بھی مشکل ہے! وہ سوچنے

لگا ——!

" رجنی تیری دبیا، کا بیاہ نہیں ہوا تھا — کیا —؟

ہوا تو تھا بابو — رجنی نے اوڑھنی کے آنچل سے آنسو پونچھتے ہوئے جواب دیا — مگر گونا نہیں ہوا تھا — پھر — اب کیا ہوگا!

بابو سودہ پوچھنے لگا

کچھ نہیں — برادری کی روٹی تو پڑھی جائیگی — بھائی بندی کا کھانا! رجنی نے بالٹی میں دودھ اونڈیلتے ہوئے جواب دیا —

بھائی بندی کا کھانا —

بابو نے پوچھا!

وہی برادری کی روٹی جو پڑتی ہے بابو — پنچ وہ تو دے ہی لینگے

رجنی اس سے زیادہ صاف طریقہ پر اپنا مطلب نہ سمجھا سکی!

مشین بابو کی حیرت کی انتہا نہ رہی! ایک تولڑکی ہاتھ سے گئی دوسرے بھائی بندی کی روٹی! اس کے دماغ میں مفلس ہندوستان کے مکروہ مذموم رسم ورواج چکر کھانے لگے! مرے پر سو درّے اسی کو کہتے ہیں

اور اگر روٹی نہ دی تو کیا ہوگا — رجنی

وہ بولا —

پھر کیا — رجنی نے کہا! بابو برادری والے حقّہ پانی بند کردینگے اور کیا!

مشین بابو نے ایک موٹا سا بادامی رجسٹر اٹھاکر اس کے صفحے الٹے ہوئے دودھ کا حساب لکھتے ہوئے کہا!

اگر تو چاہے تو تیرا حساب ابھی ہی دیدوں!

بڑی دیا ہوگی — بابو! جنی کی آنکھوں سے شکریہ کی بارش ہونیلگی!

وہ اور کچھ نہ کہہ سکی۔

مشین بابو نے ایک دوسرا بادامی رجسٹر نکالکر اسکا تمام حساب کر ڈالا — انگوٹھے پر نشان لگانے کی سیاہی لگاتے ہوئے اسنے جنی کی طرف دیکھا۔ جنی اسکا مطلب سمجھ گئی اور سیدھا ہاتھ بڑھا دیا بابو کی طرف!

مشین بابو نے اس کا گرم گرم ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا تو ایسا معلوم ہوا کہ بجلی کا کرنٹ اس کے جسم سے پاس ہو گیا۔

۔تیرا ہاتھ کتنا گرم ہے — جنی۔

بابو صبر نہ کر سکا۔

جنی نے کوئی جواب نہیں دیا۔

بابو نے اس کے چہرہ کی طرف دیکھا تو ایسا معلوم ہوا جیسے اس کی بڑھتی ہوئی جوانی کی قیمت ۔۔ روپئے ۔ سے زیادہ نہیں ہے!

گرم گرم ہاتھ کی ملائم انگلیاں انگوٹھے سے علیحدہ کرکے بابو نے سیاہی کے پینڈ پر اسکا ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

ذرا ہاتھ ڈھیلا کرو —

جنی کا ہاتھ ڈھیلا ہونے کے بجائے کچھ سخت پڑ گیا۔

نہیں — ڈھیلا کرو — ڈھیلا —!

بابو نے کہا۔

جنی کا تمام جسم کانپ رہا تھا۔ مشین بابو نے رجسٹر کے ایک کونے پر ۔۔کا انگوٹھا لگا لیا۔ روپے دیئے۔

جنی ۔۔۔ کا غلہ برتن، خاک ۔ برگد کے ایک پیڑ کے نیچے سے اپنا

سیاہی بھرا ہوا ہاتھ پونچھتی ہوئی چلی گئی ۔

مشین والے بابو نے بادامی رجسٹر کو میز کے قریب بچھی ہوئی لکڑی کی پینائی پر رکھکر ہرن مارکہ بیڑی سلگا لی ۔! اس کی نگاہوں میں دودھ کی تمام بالٹیاں، مکھن اور کریم کی مشین ۔ پھوس کا چھپر ۔۔۔ اور بوڑھے برگد کا درخت اپنی زمین بوس گھنی داڑھی کے ساتھ ناچ رہا تھا ۔ ہر چیز جھوم جھوم کر رقص کر رہی تھی

۔۔۔ یہ ہندوستان جس کی رومانی زندگی کیف زار دیہاتوں میں کہی جاتی ہے! ۔۔۔ اس کے رومان کتنے بھیانک ۔۔۔ کٹھن ۔۔۔ ہیبتناک مصیبتوں سے بھرے ہوئے ۔۔۔ اور پتھر کی سنگدل سلوں کی طرح سخت ہوتے ہیں ۔۔۔ جہاں عورت کی عزت ۔۔۔ آبرو ۔۔۔ اور لاج ۔۔۔ کی قیمت سوکھی روٹی کے سماج ۔۔۔ یوں تو سبھی ظالم ہوتے ہیں ۔۔۔ مگر اس ہندوستان کا سماج کتنا ہلکا اور سبک ۔۔۔ کتنا کم قیمت ۔۔۔ اور ۔۔۔ اور کتنا حقیر، چھوٹا ہے ۔! جس میں عورت کے جمال آبرو ۔۔۔ عصمت ۔۔۔ اور نسوانیت کا بدل صرف روٹی کے سوکھے ٹکڑے ۔۔۔ اور کچھ نہیں ؟

اور یہ عورتیں ۔۔۔ آخر بھاگ کیوں جاتی ہیں دوسروں کے ساتھ! جب ان کو اچھی طرح معلوم ہے کہ ان کی بساطِ زندگی اتنی بے مایہ ۔۔۔ اتنی حقیر اور کم قیمت ہے جس کا معاوضہ روٹی کے چند ٹکڑے ہو سکتے ہیں ۔۔۔ تو ۔۔۔! پھر ہندوستان ۔۔۔ اتنا تو غریب بھی نہ تھا اگلے زمانے میں ۔۔۔ جب ہندوستان پر ہندوستانیوں کا راج تھا! یہ ایسا سماج کیوں بنگیا اس زمانے میں آخر ۔۔۔ جانے کیوں سماج کے بندھن اتنے ڈھیلے اور کمزور بنا دیئے گئے ۔۔۔ جانے کیوں! اس کا سر چکرانے لگا ۔۔۔ یہ سب

کچھ سوچتے سمجھتے ۔ اور وہ بھی تو تھا ایک مشین کا بابو ہی! یہ بابو لوگ جو دن بھر پنہاریوں کی طرح سر کھپاتے ہیں ان کے دماغ کتنے محدود ـــــ اور کتنے مجبور ہوتے ہیں! بیچارے بھرے نا ـــــ بابو! ان کی زندگی انہیں مٹ میلے سفید اور بادامی رجسٹروں میں بند ہوتی ہے ـــــ اس سے زیادہ اور سوچ بھی کیا سکتے تھے ـــــ!

دودھ اور کریم کی مشینوں نے ۔ رکمی ناتھ کو رکمی ناتھ سے مشین بابو بنا دیا تھا سارے بانسی پور میں اسے سبھی مشین بابو کہتے تھے شاید وہ سمجھتے ہوں گے کہ یہ بابو لوگ بھی کسی قسم کی مشین ہوتے ہیں ـــــ حالاں کہ وہ تو صرف مکھن اور کریم کی مشینوں کے بابو تھے ۔ جو اودھ ڈیری فارم نے اودھ فاریسٹ کے قریب نیپال کی ترائی میں کھول رکھی تھیں ـــــ اور پاس پڑوس کے تمام دیہاتوں کا دودھ خرید کر کریم اور مکھن وغیرہ بنا کر ٹرک کے ذریعے ٹین کے ڈبوں میں بند کر کے اسٹیشن روانہ کر دیتے تھے اور بس!

رکمی ناتھ کتنے دنوں سے رجنی کو جانتا تھا کوئی دو ڈھائی سال سے! جب وہ بہت چھوٹی تھی! یعنی اتنی جوان نہ تھی جتنی کہ وہ ان دنوں میں ہو چکی تھی ـــــ! چھوٹی لڑکی ـــــ نا سمجھ ـــــ اور اب تو اس کو دیکھ کر یاد ہو گیا تک گنگنانے لگتا ہے ـــــ

بچوں سے مار مار ـــــ ہم کا بلا دین ـــــ ہاں ـــــ ہاں ـــــ

رجنی کی بہن کون ایسی خوبصورت تھی جسکو دیکھ کے وہ اتھارد دیس بھاگ گیا ۔
تھا ۔ وہ دیس ـــــ شاید مدینیلت بہت دور کوئی بستی ہوگی جہاں باپ کو کوئی

پاپ نہ جانتا ہوگا ـــ نہ وہاں پولیس ہوگی ـــ نہ تھانہ ـــ نہ ڈپٹی صاحب ـــ اور نہ تحصیلدار ـــ ریل بھی تو وہاں نہ جاتی ہوگی ـ جبھی پاپ کر کے سب تھارو دیس بھاگ جاتے ہیں ـــ گنتو کہتا تھا کہ تھارو دیس میں لڑکیاں بہت سستی بکتی ہیں ـ کہو تو لا دوں! تمکو بھی ـــ وہ ایک بابو! بڑا اُچکا ہے یہ گنتو ـ جسدن مشین پر کوئی لڑکی اکیلی د دیکھ کر پہنچ جاتی ہے اس کی سہالگ ہو جاتی ہے ـ کس طرح دائیں آنکھ میچ کر بائیں کھول دیتا ہے ـ وہ بیچاری دیہاتی لڑکیاں کیا سمجھیں کہ یہ بدمعاش گنتو آنکھ کیوں مارتا ہے ـ وہ مسکراتی بھی نہ ہوں گی ـــ

اب ان لوگوں کو بھائی بندی کا کھانا دینا ہوگا ـــ بھگوان کیسے دے ر پائیں گے یہ پنچایت کی روٹی! غریبوں کو ایک وقت پیٹ بھر کھانا بھی تو نصیب نہیں ـ یہ اتنا بڑا کام رجنی کے ماں باپ کیسے کر پائیں گے ـ؟

اور اگر پنچایت میں شامل نہ ہو سکے تو پھر یہ سماج کے ٹھیکیدار رجنی کا بیاہ بھی نہ لیں گے ـــ اور پھر ایشور جانے ـــ جانے پھر کیا ہو ـــ

مشین بابو جانے کب تک یہی سب کچھ سوچتے رہے!

رجنی کی بہن کے بھاگ جانے کے چرچے اب مالسی پور سے نکل کر دُور دور تک پھیل چکے تھے! جو کہتا تھا وہ یہی کہتا تھا کہ یہ سب کچھ کلجگ کی مایا ہے جو بن بیاہی کنیا پرائے انجان مرد کے ساتھ بھاگ گئی! ہر جگہ سماج کے کرتا دھرتا ہوتے تو مرد ہی ہیں ـ پھر وہ سکھوا کو نردوش کیوں نہ ٹھہراتے! حالانکہ وہ خوب جانتے تھے کہ سکھوا چھٹا ہوا ـ بدمعاش ـــ آوارہ اور بدچلن لونڈا تھا! ایک ا رجنی کی بہن

ہی کیا پاس پڑوس کے گاؤں کی دس پانچ لڑکیاں اب تک وہ بھگا چکا تھا،
اور آبرو تو خدا جانے کتنی لڑکیوں کی مٹ چکی تھی اس کے ہاتھوں ـــ مگر وہ تو
نر ہے، مرد ہے! اگر یہ عورتیں خود ایسی نہ ہوں تو ان کو کون بھگا سکتا ہے! سماج ـــ کا
متفقہ اور اٹل فیصلہ ایسے معاملوں میں عورت کے خلاف ہی ہوتا ہے کیوں کہ ان کے
نزدیک عورت پتھر کے ایک بیجان مجسمے سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتی! اس کے
جذبات، اس کے حسیات، اس کی فطرت ـــ سب کچھ مرد کی زرخرید ملک ـــ!
تو پھر اس کو یہ حق کب حاصل ہے کہ اس کے جذبات میں کسی قسم کی جوابی کشش پیدا
ہو سکے! مرد چاہے تو عورت کو محبت کا فریب ـــ پریم کا جل! سبھی کچھ دے سکتا
ہے لیکن اگر عورت اپنی زندگی کی تمام بساط مرد کے اعتبار اور اعتماد کے سپرد کر دے تو ـــ
رنڈی ـــ بیسوا ـــ اور خدا جانے کیا کیا کچھ ـــ؟

ننھا کی آبرو لُٹ جانے کے بعد پنچایت کے ٹھیکیداروں نے ہمدردی کا
خاتمہ کر دیا ـ منی کی ہتھیا، ننھا ہی پر نہیں رہتی ـ اس کی ماں اور اس کے چھوٹے
چھوٹے بھائیوں پر لگا دی گئی ـــ دو سو بھائیوں کا کھانا اور ایک سو ایک روپیہ تاوان!
ورنہ ـــ ورنہ ـــ ظاہر ہے کہ ننھا کا حقہ پانی سب کچھ بند ـــ
کچھ ہو! یہ تو ہو ہی نہیں سکتا کہ برادری کی روٹی دیئے بغیر ننھا گاؤں کے
کسی کنوئیں سے پانی بھر لے ـــ یا کسی کی چلم کو منہ لگا دے! پنڈت شنکر دینا
جیٹھی سے لیکر کا نھا چمار تک سبھی خلاف! حالانکہ ان کو خوب معلوم تھا کہ اگر ننھا
امیر ہوتی، دو سو بھائیوں کو کھانا دینے کی سکت ہوتی تو دو برس سے منی کا ہونا
کلنک کو ننھا رہتا ـــ اور سکھو کو یہ موقع ہی کیوں مل جاتا۔ وہ پنگھٹ کے پاس

کھڑا ہو ہو کر منّی سے نگاہیں لڑاتا، تالاب کے کنارے ہلکے ہلکے سروں میں سیٹی بجا کر اپنے انگریزی طرز کے کٹے ہوئے بالوں میں ہاتھ سے کنگھی کرتا ـــــ نندا چاچا کی چوپال میں بیٹھ کر ٹونکی کی سنی سنائی چیزیں کیوں اڑاتا: "ستمگر تیرے لئے" ! جیا رے...... ہائے ڈولے رے! "دیکھو دیکھو جی! بدردا کارے ـــــ جیا نہ ڈرائے" ـــــ!

یہ سب کچھ ہوتا تو جبھی! جب نندا کے بنائے کچھ نہ بنا! گونے میں کتنا لمبا خرچ تھا! ابھی تو بیاہ کے قرضوں سے اس کا پیچھا نہ چھوٹا تھا ـــــ جگنیوں کی ڈگریاں ـــــ اس کے لہلہاتے ہوئے کھیتوں کو للچائی نگاہوں سے دیکھ رہی تھیں! قسطیں بانٹنے والے کارندے ہر مہینے اس کی بھینسوں اور گائیوں کو نیلام کرا دینے کی دھمکی دیتے تھے اور زمیندار کے سپاہی الگ اٹھنا بیٹھنا مصیبت کئے تھے۔ اپنی چوپال میں اپلوں کے الاؤ پر بیٹھے بیٹھے وہ سوچا کرتا کہ ـــــ بھگوان ـــــ اگلے جنم میں میں نے وہ کونسا پاپ کیا تھا جس کا بدلا اس جنم میں بھگت رہا ہوں ـــــ! منّی کے بھاگ جانے کے بعد وہ اپنی زندگی سے بالکل مایوس ہو چکا تھا اور اب اس کے پاس اس عمر میں جیون میں کچھ بھی باقی نہ رہا تھا جو اس کی زندگی میں آشاؤں کا کوئی بھی دیا جلا سکتا! منّی کی روٹی ـــــ رجنی کا بیاہ ـــــ اس کی بڑھتی ہوئی جوانی ـــــ اور یہ کل جُگ ـــــ وہ کانپ اٹھتا ـــــ!

منّی کو بھاگے ہوئے تین چار مہینے سے زیادہ ہو چکا تھا۔ اور غریب نندا کی مجبوریاں اس کی زندگی میں کوئی سہارا پیدا نہ کر سکیں! گاؤں کے آوارہ لونڈوں نے منّی کے بھاگ جانے پر [illegible] منّی کی بہن سمجھنا شروع کر دیا تھا ـــــ اور وہ تھی

بھی دھنتی کی سگی بہن ـــ یہ اور بات تھی کہ رجنی نے ایک آدھ بار ـ کلوا چمار اور سوہنی پاسی کے لڑکے کو نیلی پیلی آنکھیں دکھا کر ڈانٹ دیا! لیکن اس سے گاؤں کے دوسرے مستقل مزاج نوجوانوں کے دلوں پر کب اوس پڑ سکتی تھی ـــ اور گنتو ـــ تو جیسے مشینوں کا بڑا افسر تھا ـ مشین بابو کے بعد ـــ مکھن، اور کریم کی تمام مشینیں دھونا ـ پیپوں میں کریم اور مکھن بھرنا سبھی کچھ اس کے ہاتھ میں تھا ـــ دودھ پچواتے وقت تو اس کے ٹھاٹھ باٹھ دیکھنے والے ہوتے! کمر پر دونوں ہاتھ رکھ کر ایسے کھڑا ہوتا ـ جیسے تھانیدار! رجنی کے دودھ میں طرح طرح کے عیب نکالنا ـ کئی کئی بار سنوانا ـــ اور آنکھیں مارنا ـــ گنگنانا ـ اس کے روز مرہ میں داخل تھا! مشین بابو کو اکثر اس کی یہ باتیں بری معلوم ہوتیں ـ مگر وہ خوب جانتے تھے کہ گنتو سے بگاڑنا ٹھیک نہیں! اگر اس نے کہیں کریم کا کوئی گھان خراب کر دیا ـ یا مکھن کا ماؤ بگاڑ دیا ـــ تو کمپنی والے اس پر جرمانہ کر دیں گے ـ وہ نوکری سے ہٹا دیا جائے گا ـــ ایسی اچھی نوکری اس زمانے میں کہاں مل سکتی ہے ـــ بڑے بڑے بی اے اور ایم اے مارے مارے پھرتے ہیں ـــ وہ تو صرف میٹرک فیل ہے ـــ

دودھ کی بالٹیاں کھنکھناتے ہی گنتو اپنے کمرے سے باہر آ گیا ـ برگد کے سے گھنے پیڑ کے نیچے جس کی بڑی بڑی داڑھی نیچے بھی جھول جھولتے تھے ـــ ساون کے دن آئے سکھی ری ـ ساون کے دن ـ اس نے گنگنا کر برگد کی داڑھی کو ایک جھونکا دے دیا ـــ شیامو نے اپنی بالٹی دوسری طرف کھسکا دی ـ اور کھڑا ہو گیا ـــ!

شیام ـــ دادا!

جے رام ـــ بھائی ـــ جے رام جی کی ـــ!

گنّو نے آنکھ کے اشارے سے بُلاتے ہوئے کہا! شیا مو اُٹھ کر گنّو کے قریب پہنچ گیا اور دونوں دھیرے دھیرے باتیں کرتے ہوئے کوارٹر میں چلے گئے!

" کہو یار ـــ کیا رنگ ہیں! کیا کہتی ہے اب!

" گنّو دادا ـــ وہ بڑی ضِدن ہے ـــ مانتی نہیں!

شیامو نے جواب دیا ـ

واہ بھائی ـــ یہی کہتے تھے کہ میرے کہے میں ہے! چاؤ ـــ بس! دیکھ لیا ـــ!

گنّو نے کہا ـ

گنگا کی قسم " شیامو بولا " جھوٹ نہیں کہتا ـــ!

" ابے جا " گنّو مسکرایا " بس ایک دفعہ ملوادے! پھر دیکھ لینا ـــ!

ہاں یہ بات ہے ـــ تو رہی!

شیامو کہنے لگا!

لاؤ ہاتھ ـــ!

گنّو نے بات پختہ کرنے کیلئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا! شیا مو نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ مار دیا اور دونوں مسکرا کر کوارٹر سے باہر نکل آئے ـــ!

دوسرے دِن شام کو گنّو جب کریم اور مکھّن کی مشینوں کو گرم گرم کھولتے

ہو ــــ پانی سے دھو کر بالٹیاں رکھنے کیلئے مشین بابو کے کوارٹر میں آیا تو اس نے

لالٹین کی دھیمی لو ــــ کچھ اور تیز کر دی ۔

مشین بابو ــــ کیا سو گئے ۔

لالٹین کی تیز تیز شعاعیں بابو کی بند آنکھوں پر جھم گئیں اور پپوٹوں کی

کھال جھلملانے لگی ۔

گنو نے دھیمے سروں میں وقت کی ایک تان اڑ دی ــ

ندھریا ہو رت بھن ــ رہیو کہ جیو ۔

رہیو کہ جیو ۔ ہاں ــــ ہاں ــ

مشین بابو نے کروٹ لے لی ۔

کیا ہے گنو ــ ؟

جی ــــ بابو سر شام ہی لیٹ رہے ۔ کیا بہت تھک گئے

گنو نے کہا ۔ بہت داب دوں تمھارا ــ ؟

نہیں جی ــــ کچھ ایسا تھوڑا ہی تھکا ہوں ۔

مشین بابو نے جواب دیا ۔

وہی چپ سنا ــ گنو کہنے لگا ۔ وہ تنی کی بہو ۔ رتنی بھی ۔ اب ہم

نکال دی ہے ــ

وہ کیسے ــ ؟

مشین بابو نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا ۔

جیسے اس کی بہو تنی نکل چکی ہے ــ ۔

گنّو مشین بابو کے پلنگ سے اور قریب ہو گیا! کہنے لگا ۔۔۔

" اور کری گی بھی کیا! بیاہ منگنی ہونے سے رہی ۔۔۔ یاروں کے پہلو گرم نہیں کریگی تو کرے گی کیا ۔۔۔؟ اسکی آنکھوں میں شرارت چمکنے لگی ۔۔۔

مشین بابو کو سکتہ سا ہو گیا ۔۔۔ مگر گنّو سے کچھ کہنے کی ہمت نہ پڑی

گنّو کچھ دیر مشین بابو کے انتظار میں کھڑا رہا کہ شاید اب کوئی بات چیت شروع کریں ۔۔۔ اب کچھ پوچھیں! لیکن جب مشین بابو کی چارپائی نے کروٹ کا الارم بجا دیا تو آہستہ آہستہ وہ دروازے سے باہر نکل گیا ۔۔۔

بوڑھے برگد کی داڑھی چاندنی رات میں اس طرح پریڈ کر رہی تھی جیسے پوری بٹالین جرمنی کے محاذ پر مارچ کیلئے تیار ہے! برگد کی شاخوں میں چمٹے ہوئے چمگادڑ چاند کی روشنی سے گھبرا رہے تھے اور ان کی پھڑپھڑاہٹ چاروں طرف فضا میں چھائی ہوئی تھی! گنّو جب برگد کے دوسرے کنارے پر پہونچا تو اس کے قدم خود بخود ٹھہر گئے !

" وہ " شیامو کی پیٹھ سے چمٹی ہوئی کھڑی تھی ۔۔۔ اور اس کا تمام بدن بید کی طرح سے کانپ رہا تھا ۔۔۔

گنّو نے پوچھا!

" آ گئے شیامو "

ہاں ۔۔۔ دادا ۔۔۔ بڑی مشکل سے چھپ کر آئی ہیں مہارانی ۔۔۔!

شیامو نے جواب دیا ۔۔۔!

جیتے رہو ۔۔۔ میرے یار! گنّو کہنے لگا! رجّی شرماتی کیوں ہو ۔۔۔!

میں ہوں تمہارا گنو ——!
شامو رجنی کے سامنے سے ہٹ گیا اور رجنی کا چہرہ چاندنی میں کندن
کی طرح چمکنے لگا ——
جو ایک بات پوچھوں تم سے —— بتادو گی۔
گنو رجنی کے قریب ہو چکا تھا ——
اس نے کوئی جواب نہیں دیا ——
بولتی کیوں نہیں رجنی!
گنو نے پھر پوچھا ——
ہاں۔ کہہ کر رجنی نے نگاہیں جھکالیں ——!
پنچایت تو جیسے ہوئی نہیں، گنو کہنے لگا: اب تمہارا کیا ہو گا —؟
رجنی چپ چاپ کھڑی رہی ——
میں کہتا ہوں کہ تم میرے سنگ آ جاؤ ——
رجنی اب بھی کچھ نہ کہہ سکی ——
بولتی کیوں نہیں —— مجھ پر وشواس نہیں ہے تم کو ——:
گنو نے رجنی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں ——
شیامو —— کچھ دور بیٹھا ہوا بیڑی پی رہا تھا: دونوں کی نگاہوں
نے سگریٹ پیتے ہوئے شامو نے کی مسکراہٹ —— گنو نے آواز دی ——
شیامو —— وہاں کیوں بیٹھ گیا —— یہاں کیوں نہیں ——
... گنو رہا —— شیامو ... ؛

ایشور کی کرپا سے بڑا پاپ ہے شیامو ـــــ!

دونوں مسکرانے لگے! رجنی شیامو کی پیٹھ سے آ ٹیک کر گاؤں کی طرف چل دی ـــــ " وہ بھی مسکرا رہی تھی "ـــــ

" رجنی " بھی پر نکال رہی ہے ـــــ! یہ سوچکر مشین بابو کی طبیعت میں بھی ایک اُکساہٹ سی پیدا ہونے لگی تھی۔ حالانکہ ان کے دل میں عورت کے خلاف وہ لاشعوری جذبے موجود نہیں تھے جو عام طور پر نیلی نیلی اور بھڑکیلی ساریوں کو دیکھ کر اچانک پیدا ہو جاتے ہیں آج کل مردوں میں ـــــ! غیر امتیازی طور پر وہ ہر عورت کو دیکھکر کچھ ایسا ہی سوچنے لگتے ہیں جنکو سوچنے کا اونہیں اس طرح پر کوئی حق حاصل نہیں ہوتا۔ مشین بابو کے دل میں انسانیت اور ہمدردی کا جذبہ اگرچہ فطری طور پر موجود تھا۔ لیکن " جنسی اکساؤ " بھی تو آخر انسانی فطرت کا ایک جاگتا ہوا جذبہ ہے ـــــ مشین بابو لاکھ بابو قسم کے انسان سہی، پھر بھی تھے تو مرد ہی! چٹیل میدان میں آزاد بہتے ہوئے دریا کا ٹھنڈا ٹھنڈا پانی دیکھکر یوں بھی پیاس لگ آتی ہے ـــــ اور پھر رجنی کے تو " پر نکل رہے تھے " وہ سوچنے لگے کہ گنتو " رجنی " کی کہانی کیوں دہرا رہا تھا! وہ کیوں یہ سب کچھ مجھ سے کہہ رہا تھا ـــــ ضرور ـــــ مجھے بھی دعوت دی تھی اُس نے ـــــ میں نے اس کی بات کا کوئی جواب نہ دیکر ٹھکرا دیا ـــــ دعوت کو! بُرا کیا۔ اب کہوں گا گنتو سے کہ مجھے معاف کر دے ـــــ میں اس وقت نیند میں تھا ـــــ ہاں کیا ہوا رجنی کا معاملہ!...... یار گنتو ہم بھی ہیں تمہارے ساجھے دار! ہمیں نہ بھول جانا ـــــ اس کی بڑی بڑی آنکھیں۔ دبلا پتلا جسم! اور مخمور جوانی! یہی کہلاتے ہیں گدڑی کے لال ـــــ!!

گائے اور بھینسوں کے گلے گھنٹیاں بجاتے ہوئے اس کے کوارٹر کے سامنے سے جنگل کی طرف دھول اڑانے لگے! اس کے خیالات کا سلسلہ ان گھنٹیوں کی آواز میں کھو گیا۔ جلدی سے وہ اٹھا اور کوارٹر کے باہر نکل آیا — برگد کے بوڑھے درخت کے نیچے سب دودھ والے دودھ کے مٹکے سنبھالے ہوئے قطار باندھے بیٹھے تھے — اور گنو بالٹیوں میں دودھ چھان رہا تھا!

مشین بابو دھیرے دھیرے برگد کی داڑھی سے کھیلتا ہوا دودھ والوں کی قطار کے پاس پہونچ گیا! اس کے پاؤں خود بخود بوجھل ہونے لگے۔ برگد کی داڑھی کا ایک بال زمین کی تہ میں پیوست ہو گیا جیسے کوئی دوسرا درخت برگد کے نیچے جنم لیا ہو۔ رجنی اسی داڑھی کو پکڑے سہارا لئے بیٹھی تھی! مشین بابو کو یاد آ گیا کہ اس کی ہونی تھی اور دیس چلی گئی ہے — اور اس کے گھر والوں نے ابھی تک پنچایت کی روٹی بھی نہیں دی۔ یہ لوگ کتنے مجبور و مظلوم ہیں — غریب — نادار — مفلس —! سماج نے ان کی زندگی کی آشاؤں کا گلا گھونٹ دیا ہے! مگر — اچانک گنو کے سلام نے اسے چونکا دیا — اور ہمدردی کے جاگے ہوئے جذبے جنسی طوفان میں سو گئے! رجنی کے پر نکل رہے تھے! — اور وہ اڑ رہی تھی بہت بلندی پر! سماج والے اسے اڑا رہے تھے کسی ہوائی جہاز پر — جو نوجوانوں کے منڈلاتے ہوئے دلوں پر پریم کے گولے برسا رہا تھا۔ انسانیت کا جذبہ بیشک فطری چیز ہے لیکن یہ کساؤ بھی تو فطرت کی دی ہوئی ایک سوغات ہے! یہ وقت کی چیز — وقت کا نغمہ — ! انسانیت و ہمدردی کے جذبات بڑھاپے کا وچار — آخری وقت کا پشچاتاپ! ہر چیز اور ہر بات اپنے وقت پر شوبھا دیتی ہے۔ دن کو رات کی سی مست نیند ممکن نہیں! اچانک کی

آشائیں، ورامیدیں۔ بڑھاپے میں کبھی کام نہ آئینگی۔ جوانی خلش کیلئے اور بڑھاپا سکون کے لئے! دوسرے جیون کے سُدھار کی دعاؤں کیلئے!! مشین بابو نے تھوڑی دیر میں جانے کتنا سوچ لیا۔ لکڑی کے تختوں سے جڑی ہوئی کرسی پر بیٹھتے ہی ان کی نگاہیں رجنی کی طرف اٹھ گئیں۔ وہ سر جھکائے بیٹھی تھی برگد کے ایک سوکھے ہوئے پتے میں سوراخ کر کے ایک چھوٹی سی لکڑی میں پرو لیا تھا اس نے۔! بچپن اور مستی بھی عجیب چیز ہوتی ہے۔ جانے اس نے کیوں ایسا کیا تھا۔؟

گنو تیاموکی طرف دیکھ کر مسکرایا اور بھرپور نگاہ جما کر رجنی کی طرف دیکھنے لگا۔ گویا کہ ہنس رہا تھا مشین بابو کی حماقت پر۔! اپنے نمبر پر رجنی دودھ لیکر بالٹیوں میں ناپنے لگی۔ ۔۔۔ تو گنو نے اس کے پیر کے انگوٹھے کو اپنے پاؤں کے نیچے دبا لیا!

مشین بابو بادامی رجسٹروں پر آنکھیں جھکائے ہوئے آج کے آئے ہوئے دودھ کا حساب لکھ رہے تھے۔

سورج ڈوبنے میں تھوڑی ہی دیر باقی تھی کہ مویشیوں کے گلے گھنٹیاں بجاتے ہوئے جنگل سے لوٹنے لگے! مشین بابو نے لکڑی کے بڑے سے بکس میں رجسٹروں کو رکھکر تالا لگا دیا اور اٹھ کھڑے ہوئے۔ وہ روز اسی وقت اپنا آفس چھوڑ دیتے تھے۔ یہی گھنٹیاں ان کی گھڑی تھیں۔ سویرے جب جانوروں کے گلے جنگل جاتے تو یہ مشینوں پر آ جاتے۔ اور ان کی واپسی پر کوارٹر واپس آ جاتے۔ گویا وہ بھی ایک قسم کے جانور تھے جنکا پروگرام انہیں جانوروں کے ساتھ تھا! اپنے کوارٹر میں پہونچکر مشین بابو نے دھوتی اور لوٹا اٹھا لیا۔۔۔ ہاتھ سے چلانے والے نمبے پر پہونچ گئے۔ سامنے ہی گنو کا کوارٹر تھا آدانندی۔۔۔!

۔ ارے گنّو کیا کر رہا ہے ۔ ۔ ؟

گنّو اپنے کوارٹر سے باہر نکل آیا ۔

کچھ نہیں بابو ۔۔۔ کیا نہاؤ گے ۔۔۔ ؟

۔ ہاں بھائی ۔۔۔ ! آجاؤ ! بابو بولے ۔۔۔ !

گنّو نمبے پر آگیا اور ہتھا چلانے لگا !

مشین بابو نے دیسی صابن جیب سے نکال لیا : اور بدن میں رگڑنے لگے ۔

اے یار ۔۔۔ گنّو اس دن رات کو کیا کہہ رہے تھے تم ! میں تو نیند میں تھا کچھ سمجھ نہ پایا ۔۔۔

مشین بابو نے کہا !

کیا بابو جی ۔۔۔ ؟

گنّو نے پوچھا ۔۔۔ !

۔ اجی وہی رجنی والی بات ۔ ! مشین بابو نے جواب دیا ۔

۔ ہاں یہی کہہ رہا تھا کہ ۔۔۔ گنّو بولا ۔۔۔ کہ رجنی بڑے زوروں پر ہے جا کل ۔

۔ تو کیا صلاح ہے استاد ۔ ۔ ؟

مشین بابو نے پانی کرتے ہوئے پوچھا ۔۔۔ !

اب کیا بتاؤں بابو ۔۔۔ ؟ گنّو نے کہا ۔ معاملہ ! سب بگڑ گیا بابو نہیں تو ۔۔۔ !

۔ نہیں تو ۔۔۔ مشین بابو نے پانی کی دھارے سے جھانک کر پوچھا ۔

۔ بڑے آنند رہتے ۔

گنّو مسکرانے لگا ۔۔۔ !

"اب کوشش کرو ــــ ہم بھی ساجھے دار ہیں تمہارے ـ

مشین بابو بولے ــــ!

گنّو نے کہا ــــ ہاں ــــ منظور!

"سچ کہتے ہو گنّو! مشین بابو نے کہا ــــ

اگر لگ گیا داؤں ــــ تو ضرور!

وہ بولا ــــ

بمبے کے پانی میں ریت آنا شروع ہو گئی تھی! مشین بابو بمبے کے نیچے سے ہٹ آئے! گنّو کے ہاتھ جھٹکے پر رک گئے! کیا ہے بابو ــــ؟

کچھ نہیں ــــ ریت آنے لگی پانی میں! رہنے دو! بس نہا چکا!

یہ بمبے بڑے خراب ہوتے ہیں!

گنّو نے جواب دیا!

مشین بابو دھوتی بدلکر اپنے کوارٹر میں چلے گئے!! اور گنّو اپنے کوارٹر میں ــــ!

کہاں تو مشین بابو میں انسانیت اور ہمدردی کے جذبے طوفان پیما تھے کہاں یکایک جنسی جذبات نے بغاوت شروع کر دی ـ اب وہ رہ رہ کر یہ سوچنے کی کوشش کر رہے تھے کہ کس طرح "رجنی" کی مجبوری اور بے بسی سے فائدہ اٹھا کر گنّو کو اپنا بنا کر! اس موقع سے فائدہ اٹھالیں ـ ادھر گنّو نے شیامو کو ملا کر رجنی پر اس طرح قبضہ کر لیا تھا کہ درحقیقت اب وہ اپنے لئے شیامو کو بھی ایک طرح کا کانٹا ہی سمجھتا تھا "رجنی" گنّو کیلئے اتنی بیباک ہو چکی تھی کہ اس کیلئے

شیامو کے وسیلے کی ضرورت ہی نہ تھی! اکثر رات کو اسی برگد کے گھنے سائے کے نیچے گنوّ بیڑی پی پی کر اس کی راہ دیکھتا کرتا تھا ـــ اور جب دھندلے دھندلے تاریک سایہ میں پر احتیاط حرکت پیدا ہونے لگتی تو وہ جلدی سے اپنی ادھ جلی بیڑی پھینک کر اسی سائے کی طرف بڑھ جاتا ـــ نجانے کتنی کتنی دیر دونوں برگد کی داڑھی میں اُلجھ اُلجھ کر گھنٹوں باتیں کیا کرتے ـــ

کئی بار مشین بابو نے چھپ چھپ کر ـ رجنی اور گنوّ ـ کی بہت سی باتیں سنی تھیں ـــ کیسی باتیں ـــ جس کو سن کر ان کے رونگٹے تھرا اٹھتے ـ عجیب عجیب پرچھائیاں آنے لگتیں ـــ اور وہ گنوّ کی قسمت پر رشک کرتے کرتے رقابت کے حدود تک پہونچ جاتے ـــ وہ سوچنے لگتے کہ یہ گنوّ ـــ ایک چھوٹا ـــ اور غریب آدمی! کس طرح رجنی ایسی خوبصورت لڑکی پر قبضہ کئے ہوئے ہے ـــ حالانکہ وہ اس سے کہیں زیادہ خوبصورت ـــ جوان ـــ اور پھر مالدار! لیکن نہ جانے کیوں رجنی اس کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتی ـــ اسکو دیکھکر نگاہیں جھکا لیتی! ـــ راہ کاٹ جاتی ـــ گویا ـــ نفرت کرتی ہے ـ اس سے ـــ!

مشین بابو نے اپنی کھڑکی سے جھانک کر دیکھا ـــ اندھیرا ہو چکا تھا ـ گنوّ نے دھیرے سے اپنے کوارٹر کے دروازے بھیڑے ـــ اور بوڑھے برگد کی طرف دبے پاؤں چلنے لگا ـــ برگد کی داڑھی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا میں ہل رہی تھی ـــ اس نے ماچس سلگا کر بیڑی جلائی اور برگد کی داڑھی کے ایک موٹے سے بال کا سہارا لیکر کھڑا ہو گیا ـــ مشین بابو بھی چپکے سے اپنے کوارٹر کے باہر آگئے ـ چھپ کر

گنو کے قریب ہی برگد کی جڑ کے پاس ٹھٹک کر کھڑے ہو گئے! ایسے ہی اکثر چھپ چھپ کر انہوں نے دونوں کی باتیں سنی تھیں ـــ گنو نے ایک لمبا کش کھینچکر بیڑی بجھا دی ـــ وہ سامنے ہی آ رہی تھی ـــ چند قدم آگے بڑھ کر اسنے اپنے دل کی حرکتوں کو اس کے تیز تیز تنفس میں گم کر دیا ـــ!

تم آگئیں ـــ رجنی -؟

آج مجھے بڑی دیر ہو گئی ـــ گنو۔

اس کی سانس اب بھی بے ربط سی تھی!

کیا ہوا ـــ پیاری

گنو نے پوچھا

کچھ نہیں ـــ وہ بولی ـــ دادا کی طبیعت کچھ خراب تھی۔

کچھ دیر کے لئے دونوں خاموش ہو گئے ـــ

گنو نے پھر سلسلہ کلام شروع کرتے ہوئے کہا۔

"رجنی! وہ مشین والا بابو تم پر بُری طرح ریجھا ہے"!

رجنی نے کوئی جواب نہیں دیا ـــ!

بولتی کیوں نہیں رجنی! وہ بولا! مشین بابو تو میرا سا اچھے دار ہے،

کیا کہا تم نے گنو! کیا میں کوئی بیسوا ہوں! رجنی نے جواب دیا ـــ!

نہیں میرا مطلب تم نہیں سمجھیں ـــ گنو کہنے لگا! وہ بھی اپنا سنگھی ہے!

آخر ـــ شیامو ....! وہ بولی!

بس رہنے دو شیامو کو تمہیں نے تو کہا تھا ـــ!

اور بابو کو بھی میں یہی کہہ رہا ہوں! گنتو نے جواب دیا ---!

چُپ رہو --- کیا کہتے ہو --- اب بیاہ ہو گا! رجنی نے خفت کے ساتھ جواب دیا!

تو آخر ان میں کیڑے ہی کون سے پڑ گئے! گنتو بولا ---!

رجنی نے جواب دیا۔

یہ شہر والے ہیں --- ان کی اور ہماری دوستی ہی کیا ---؟

گنتو ہنسنے لگا۔

۔ میں تو مذاق کر رہا تھا تم سے --- ہاں اب یہ بتاؤ۔ تھاروؤں میں۔ کب چلو گی ---؟۔

اچانک بوڑھے برگد کی داڑھی میں چھپے ہوئے چمگادڑوں کی پھڑپھڑاہٹ نے دونوں کو چونکا دیا --- مشین بابو سمجھے کہ جیسے ان کی تاک جھانک کا بھید کھُل گیا ہے --- برگد کی جڑ سے نکل کر وہ بھیانک تاریکی میں، اپنے کوارٹر کی طرف چلے گئے ---!

اللہ کی دین!

ایک چھوٹے سے اسٹیشن پر ٹرین رُکی ہی تھی کہ مسافروں کا ٹڈی دل ٹوٹ پڑا پہلے ہی سے سارے درجہ میں سانس لینے کی جگہ نہ تھی کہ ایک دھیڑ عمر نیم مولوی قسم کے انسان معہ اپنی تمام گھبراہٹوں اور کنبے سمیت داخل ہونا شروع ہو گئے۔ سیاہ رنگ کے برقعہ میں ایک عورت لپٹی لپٹائی اور پون درجن کے قریب مختلف سائز کے لڑکے اور لڑکیاں۔ ایک آدھ بکس، بستر، لوٹا، اور خدا جانے کیا کچھ، سارے درجہ میں تل رکھنے کی جگہ نہ تھی، کھڑکیوں پر آدمی۔ سامان رکھنے کی جگہوں پر آدمی، فرش پر آدمی۔ عرش پر آدمی حتیٰ کہ پائخانہ کے اندر تک آدمی کھڑے تھے۔ اِس کنبہ کے داخل ہوتے ہی سب حیرت میں تھے کہ یا اللہ یہ سب لوگ کس طرح اِس کمپارٹمنٹ میں سما سکیں گے جہاں ہوا تک آنا مشکل ہو چکا ہے۔ لیکن تعریف اس کمپنی کی جس نے عمرو عیار کی زنبیلیں بنا کر ساری دنیا کو حیرت میں ڈال دیا ہے۔ یہی نہیں کہ اس لڑائی کے زمانہ میں یہ ٹرینیں حسبِ ضرورت غیر معمولی طور پر گھٹ بڑھ جایا کرتی ہیں اور ان سیٹ پر جن کے سرہانے لکھا ہوتا ہے۔ بارہ آدمیوں کے بیٹھنے کی جگہ خود بخود آٹھ آٹھ درجن آدمیوں کے بیٹھنے کی جگہ پیدا ہو جایا کرتی ہے بلکہ لطف یہ کہ ان آدمیوں میں سے کوئی بھی جان بحق تسلیم نہیں ہوتا۔ گویا کہ یہ ہندوستانی ریلوں کا ایک

معجزہ ۔ معجزہ —

پہلے جب یہ کنبہ داخل ہونا شروع ہوا تو ہر شخص پریشانگی پیدا ہو رہی تھی کہ جگہ نہیں ہے ، ڈیوڑھی سے ڈیوڑھی ، رحم کیجئے صاحب رحم ، مگر جب ایک ایک کر کے یہ ایک درجن کے قریب مخلوق خدا اپنے تمام اسباب کے داخل ہو گئی — تو یقین جانئے کہ تمام لوگوں کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں ۔ کھڑے ہونے کی جگہ پر انسان پاؤں پھیلا کر لیٹ جاتا ہے ۔ چنانچہ جو لوگ دوبارہ آئے انہی کی پہلی تقریب کے ... بھیک مانگنا شروع کر دی —

عجیب تو ہوئی — ایک ادنیٰ جگہ — جو میرے گھر میں ملیں آپ پچھ —

حالانکہ اپنی آنکھوں سے دیکھا سب نے اس سارے ڈبے میں بیٹھنے کی گنجائش نہ تھی — اس صورت میں سوائے اس کے کہ عجیب لوگ ایک دوسرے کا منہ اور مولانا کا صدقہ دیکھ کر خاموش ہو جاتے تھے ! وہ جواب ہی کیا دے سکتے تھے ۔

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

بہرحال ضرورت ایجاد کی ماں ہوتی ہے۔ مولانا نے کوشش کر کے اوپر والی برتھ پر ایک صاحبزادے کے لئے اور بھی جگہ نکال لی۔ سارے کمپارٹمنٹ میں خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ کبھی کبھی کوئی مسافر ایک لمبی سی جماہی لیکر اللہ یا رام ضرور کہہ دیتا۔ البتہ مولانا دوسرے کے بعد تیسرے کی فکر کر ہی رہے تھے کہ سامنے والی سیٹ پر بیٹھے ہوئے ایک خاں صاحب بول اٹھے۔ غالباً مولانا انھیں کے سامان سفر کی مرمت شکست و ریخت فرما رہے تھے۔

"کیا ارادہ ہے" خاں صاحب نے کہا۔ "ملا جی! کیا سامان پھینک دو گے۔؟

"جی نہیں" مولانا بولے! "ٹکٹ ہم نے بھی خریدا ہے جناب!

"دوسروں کا سامان پھینکنے کے لئے" خاں صاحب کا لہجہ اب بھی نرم تھا۔

"کچھ ہو صاحب" مولانا نے فرمایا! "لڑکے بھی تو نہیں پھینکے جا سکتے۔"

"تو جہاں جگہ ہو لڑکوں کو بٹھال دیجئے ——— مگر سامان" خاں صاحب نے جواب دیا ——

"آپ کے سامان کی ذمہ داری کسی نے نہیں لی ہے" مولانا آپے سے باہر ہوئے جا رہے تھے ——"

اب معاملہ خاں صاحب کی برداشت سے باہر ہو چکا تھا۔ آستینیں چڑھا کر کھڑے ہو گئے " لگایئے تو سامان کو ہاتھ"

"دیکھئے ابھی لیجئے"

"ہاں ——— ہاں ——— سامان کو ہاتھ لگایئے"

"ابھی ——— ابھی ———" مولانا دور سے گیدڑ بھبکیاں دکھا رہے تھے"

۔ جیسے ساری گاڑی آپ نے خرید لی ہے ۔ مولانا کہہ رہے تھے ۔

۔ اور ـــــ نہیں ـــــ تیرے باپ کی ہے ۔ خاں صاحب تو تکار تک آ گئے تھے ـــ!

۔ دیکھیے ـــ دیکھیے ـــ زبان سنبھال کر ـــ مولانا نے تہذیب سے کہا ـــ

۔ تیری زبان سمجھا ـــ خاں صاحب عنقریب تھا کہ مولانا پر آ جائیں دو چار لوگوں نے بیچ بچاؤ کر دیا ـــ اب مولانا کھڑے کھڑے بڑبڑا رہے تھے اور خاں صاحب اپنی طرف اردو کے معنی بول رہے تھے ۔

میرے پاس بیٹھے ہوئے ایک صاحب جو غالباً یہ سوچ رہے تھے کہ اگر ہندوستان میں اتحاد و یک جہتی ہو جاتی تو سارا ہندوستان ہندوستانیوں کا تھا ۔ اس خیالص بین الاقوامی خلاف کو نہ دیکھ سکے ۔ رنگین شیشوں کی عینک سے جھانک کر بولے

۔ ملا جی ـــ آج کل بال بچوں کو لے کر سفر کرنے کا زمانہ نہیں ہے ۔

گو کہ مولانا کسی دوسرے محاذ کیلئے تیار نہ تھے مگر دفاعی تو ہر حال میں ضروری تھا ـــ جواب دیتے ہیں ـــ!

۔ منشی جی ـــ پھر ان بچوں کو کس جہنم میں جھونک دوں ۔

۔ نہیں جہنم میں جھونکنے کا سوال نہیں ۔ منشی جی کہنے لگے ۔ میرا مطلب یہ ہے کہ آج کل بال بچوں کو لے کر سفر نہ کرنا چاہیئے ـــ ۔

۔ یہ تو میں بھی جانتا ہوں ۔ مولانا نے جواب دیا ۔ مگر بچوں کو کس پر چھوڑ آؤں ۔ یہ تو بغیر میرے ایک منٹ بھی نہیں رہ سکتے ـــ ۔

برابر والی سیٹ سے ایک نوجوان نے دخل درمعقولات کے فرائض انجام دیتے ہوئے کہا۔

"لیکن صاحب یہ درجنوں لڑکے پیدا کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی"

سارے درجہ میں ایک قہقہہ بلند ہو گیا۔

"ضرورت کیسی" مولانا منقولات پر اُتر آئے۔ یہ تو خدا کی دی ہوئی ایک نعمت ہے، معاف کیجئے گا۔ آپ کے معلوم ہوتا ہے ابھی کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ ورنہ ــــــ!

"ورنہ ــــــ" نوجوان نے بات کاٹ کر کہا "ورنہ ضرور خودکشی کر لیتا میں ــــ"

سب لوگ پھر ہنسنے لگے۔ مولانا کچھ جھینپ سے گئے۔ بولے!

"عزیزم! جب ہی تو آپ کو اولاد کی قدر نہیں ہے ــــ یہ اللہ کی دین ہے۔ اللہ کی دین ــــ!

یکایک ایک زور کے دھچکے سے گاڑی ٹھہر گئی ــــ سب لوگ درجہ سے باہر دیکھنے کی کوشش کرنے لگے کہ ماجرا کیا ہے ــــ؟

لوگ طرح طرح کی چہ میگوئیاں کر رہے تھے کہ ہانپتے کانپتے گارڈ صاحب تشریف لائے ــــ

"زنجیر کھینچی گئی ہے"

ہم لوگ حیرت میں تھے ــــ

"یہاں تو کسی نے زنجیر نہیں کھینچی"

"ضرور کھینچی کسی نے" گارڈ نے کہا۔

ہم لوگ اپنی اپنی طرف نظر اٹھا کر چین دیکھ رہے تھے کہ گارڈ نے داخل ہوتے ہی کہا، "وہ دیکھئے"۔

اب جو نظر اٹھا کر دیکھتے ہیں تو مولانا کے ایک صاحبزادے یہ فرض انجام دیکر اپنی کامیابی پر مسکرا رہے تھے۔

بچہ کی شرارت تھی لیکن پھر بھی گارڈ نے مولانا کا نام و پتہ مع مکمل ولدیت کے دیگر لوگوں کا نام و نشان نوٹ کر لیا۔ خدا خدا کر کے ٹرین روانہ ہوئی۔

گاڑی چلتے ہی نوجوان نے پھر مولانا کو چھیڑنا شروع کر دیا۔ لیکن ولدیت وسکونت کہہ دینے سے مولانا کچھ ایسے گھبرائے تھے کہ ایک لفظ بھی نہ بولے۔

کوئی پانچ دس منٹ کے بعد ٹرین پھر آہستہ ہونے لگی۔ ہم لوگوں کا خیال ہوا کہ کیا پھر تو چین نہیں کھینچ دی چھوٹے مولانا نے۔ لیکن یہ بات نہ تھی بلکہ ایک اسٹیشن تھا، بلند پانی، اسے ہم پوری طرح واقف ہو چکے تھے۔

گاڑی کا رکنا تھا مولانا کی محترمہ نے برقعے پر ڈاکہ ست کیا۔ اور سے کہتی ہیں سنتے کیوں نہیں۔ چھوٹے کب سے غائب ہو گئے۔

مولانا بھی محترمہ کا منہ دیکھ رہے تھے۔ سب تھے کہ دوسری طرف سے آواز آئی۔ چھوٹے آ چکے ہیں گے۔

"اماں جان ثریا ۔۔"

تب کہیں سے فرمائش کی، چپٹ آ گئیں۔ ویسا ہی جیسے ہوتے ہیں۔

مٹھائی، بسکٹ، اللہ کی دین ہے۔ سب نے کہا۔

اوپر کی برتھ پر جو صاحبزادے تشریف رکھتے تھے ہکلا کر بولے۔

"ہم بھی لے دیں ابّا" (ہم بھی لیں گے ابّا۔)

مولانا ہکّا بکّا ہو کر سب کو تسلّی دے رہے تھے۔ دراصل وہ بیچارے زنجیر کھینچنے کے واقعہ سے کچھ اتنا گھبرائے تھے کہ ان کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا۔ شاید اُن کا خیال تھا کہ اب مقدمہ ضرور چلیگا۔ اور اگر پھانسی نہ ہوئی تو جیل ضرور ہو جائے گی۔ مجھے نابالغ بچّے کا میں ولی ہوں نا۔۔!

ابھی مولانا اسی اُلجھن میں بیوی بچوں کو تسلّی دے رہے تھے کہ ناگہاں اوپر کی سیٹ پر لیٹے ہوئے سب سے چھوٹے بچّے نے چونک کر رونا شروع کر دیا۔

"ذرا کنفو کو" بچے کی ماں بولیں "اوپر سے اٹھا لو"

"اجی کہاں اٹھاؤں" مولانا نے بگڑ کر کہا "دیکھتی نہیں ہو کھڑے ہونے کی جگہ نہیں ہے، رونے دو۔۔۔ استغفراللہ۔۔!

"کہیں کسی پر پیشاب نہ کر دے" وہ بولیں۔۔

"پیشاب کیا کر دیگی" مولانا نے جواب دیا "کیا پیشاب کرایا نہیں تھا"

"کرایا تو تھا۔۔ مگر شاید" بچوں کی ماں بولیں "اٹھا لو"

"خاموش رہو کیوں بیکار جھک جھک لگا رکھی ہے" مولانا بولے!

اب "کنفو" اور بھی چیخنے لگی۔ محترمہ کے بے انتہا اصرار پر مجبور ہو کر مولانا نے کنفو کو گود میں اٹھا لیا۔۔ اب کی بیگم صاحبہ بولیں۔۔!

"پیشاب کرا دو۔۔!"

"بیکار کہتی ہو" وہ پیشاب نہیں کرے گی، مولانا نے کہا۔

بیگم صاحبہ نے کئی بار کہا مگر مولانا نے سنی ان سنی کر دی۔ لڑکی بدستور رو رہی تھی اور مولانا گود میں لئے ہوئے چمکار رہے تھے۔ یکایک مولانا کے پاس بیٹھے ہوئے مسافروں نے کچھ حرارت محسوس کی۔ ایک مہاشہ جی نے جن کی گردن پر کئی قطرے ٹپک گئے تھے نظر اٹھا کر دیکھا تو رام رام کہہ کر چیخ اٹھے۔ پاس پڑوس کے دو چار آدمیوں نے مزید جستجو شروع کی تو معلوم ہوا کہ مولانا کی لخو باپ کی آغوش محبت میں حوائج ضروری سے فراغت کر چکیں۔ کچھ عجب عالم تھا اس وقت کا سب لوگ گھبرائے ہوئے تھے۔

اور مولانا کی شیروانی سے پائجامہ تک یہ حال تھا۔ کہ

میانی تک بڑھا کے لیگیا چاک گریباں کو۔

ان کے سارے کپڑے۔ گو اور موت۔ میں لت پت تھے اور جمال ہمنشین پاس پڑوس پر ... اثر کر چکا تھا۔

جیسے تیسے مولانا اور ان کی دختر پائخانے تک پہنچائی گئیں کوئی دس منٹ تک مولانا اور ان کی دختر ان غلاظتوں کو دھوتی رہیں۔ خدا خدا کر کے مولانا اپنی جگہ پر بیٹھے کچھ جھینپے ہوئے سے مضطرب سے۔

کئی کئی چھوٹے اسٹیشن پاس ہو گئے مولانا برابر لڑکوں کو آئندہ اسٹیشن کے لئے بہلا رہے تھے اور ان کی محترمہ بدستور پائخانہ کے اندر۔

پائخانے کے پاس بیٹھے ہوئے کئی مسافروں نے جب پائخانے کے اندر سے کراہنے کی آوازیں سنیں تو مولانا کو اطلاع دی گئی کہ آپ کے گھر میں آپ کو یاد فرما رہی ہیں۔ مولانا کے پائخانہ میں داخل ہوتے ہی بچوں کی ماں زیادہ کراہنے لگیں۔ ان کی تکلیف بڑھت

منٹ پر بڑھ رہی تھی ـــــ درجہ بھر کے تمام مسافر اپنی اپنی جگہ پر کچھ پریشان و سراسیمہ سے
نظر آرہے تھے کہ الٰہی کیا ماجرا ہے خدا جانے بیچاری کو کیا تکلیف ہے ـ
پائیخانے سے کراہنے کی آوازوں کے ساتھ ساتھ مولانا کی بھی آوازیں
آرہی تھیں ـ
" تھوڑی دیر ٹھہر واسٹیشن آجائے تو کوئی تدبیر کروں ـ اگر یہی صورت تھی تو تم
نے پہلے کیوں نہ کہہ دیا ـ میں لاتا ہی کیوں ایسے ہی حالت میں تم کو ـ بڑی مشکل ہے مصیبت
میں جان کردی ہے تم نے، موت بھی نہیں آتی مجھکو اور تم کو "
لمحہ بہ لمحہ کرب و اضطراب بڑھتا ہی جارہا تھا کچھ عجیب حالت تھی ـ ماں کی
تکلیف سن سن کر بچے الگ رو رہے تھے اور خود مولانا قریب تھا کہ داڑھیں مار مار کر چیخنے
لگیں ـ خدا خدا کر کے کراہنے میں کچھ کمی ہوئی ـ مولانا گھبرا کر پائیخانہ سے باہر نکل آئے
بُری حالت تھی ان کی بغیر پوچھے ہوئے آپ ہی کہنے لگے ـ
" عجیب مصیبت ہے صاحب، ولادت ہوگئی ہے ان کے یہاں "
ہم لوگ حیران تھے کہ اب کیا ہوگا ـ سفر کا معاملہ ـ ایسی حالت، خدا ہی رحم
کرے ـ مولانا کے بچے بھی پریشان و سراسیمہ تھے ـ اور خود مولانا مبہوت و ساکت
کئی منٹ تک یہی کیفیت رہی کہ ٹرین آہستہ آہستہ ایک اسٹیشن کے پہلو میں
ٹھہر گئی جاکر ـــ !!

لڑائی کے بعد

اگر خدا نے چاہا تو انشاء اللہ! لڑائی کے بعد..........؟

بس دو بول ۔ صلو ۔ کے پڑھوا دوں گی ۔ ارے بیوی آج کل لڑائی کے زمانہ میں تو کچھ ہونا بالکل ناممکن ہے ۔ اب تمہیں دیکھ لو پڑا ہے کر ہاتھ ہی نہیں لگنے دیتا ۔ ململ اور تنزیب کا تو ذکر ہی کیا ۔ یہ وا کھارا جو دھائی آنے گز کا تھا ۔ اب آٹھ دس آنے میں بھی نصیب نہیں ۔۔۔ رکیں پھانسیں ، ہائے موں ہے ۔ آنکھ کا نشہ [illegible] کی پیالی [illegible] کی میری مرضی تو بس لڑائی کے زمانہ میں نہ ہوتا تم پوچھو نہ میرے [illegible] کی بات ہے نہ خرید سکتی ہوں ۔ موا جھوٹا جو کچھ بچتا ہے [illegible] کی پیتا [illegible] کا تن ڈھانک [illegible] ہوں ۔ اس پر بھی یہ حال ہے [illegible] میں [illegible] کھیے [illegible] ہی مہنگے [illegible] ہیں ۔ باہر ڈیوڑھی کا دروازہ تو تم نے دیکھا ہوگا ۔ [illegible] تین ہفتے کی بیٹیاں بیاہی ہیں ۔ [illegible] دن ان کا پائجامہ [illegible] میں بچ جاتا ہے ۔ [illegible] روز پھاڑ دیتے ہیں ۔ ناک میں دم ہے [illegible] کپڑے [illegible] ہونا [illegible] کے چھینٹ [illegible] دیتی ہیں بچے ۔ [illegible] ملک [illegible] سنتے [illegible] سو کھی باتیں [illegible] گیا نہیں ۔۔۔ [illegible] نہیں ۔

مرمت کرانا تو جیسے یہ لوگ جانتے ہی نہیں! گائے پالی؛ دودھ دودھ لیا۔ نہ چارے سے مطلب نہ پانی سے غرض! بس جہاں پہلی تاریخ آئی۔ جمعرات کے فقیروں کی طرح کھڑے ہیں۔! اللہ بھلا کرے! دلوا دیجئے کرایہ! اگر خدانخواستہ کرایہ میں گھڑی بھر کی بھی دیر ہو گئی تو اللہ دے بندہ لے۔! مکان خالی کرا لینے کی دھمکی۔ عذاب میں جان ہے! بہن اوّل تو ستور دہلی کی حقیقت ہی کیا! پھر یہ مہنگائی۔ اللہ ہی سفید پوشی قایم رکھے تو رہے! روپیہ کا تین سیر آٹا ہے وہ بھی خالص گیہوں کا نہیں! دو سیر کی دالیں! چاولوں کی صورت کو ترس گئی۔ اوّل تو اچھے چاول ملتے ہی نہیں، اور جو ملتے بھی ہیں تو وہ دو سیر ڈھائی سیر کے! گوشت روپیہ بارہ آنہ میں۔ ترکاریاں اللہ تیری پناہ۔ شکر وہ سیر آدھ سیر سے زیادہ نہیں ملتی! لکڑیاں چولھے میں جائیں۔ گھر کے تمام پلنگ اور کرسیاں جلا دیئے۔ آنکھ میں لگانے کو بھی ایندھن میسر نہیں۔ ایسی نفسی نفسی تو میں نے آج تک دیکھی نہیں! اگر یہ پیٹ کا دھندا نہ ہوتا تو میں اس گھر بار کو آگ لگا دن سے کہیں جوگن ہو کر گاؤں میں بس رہتی! جہنم میں جائے یہ آفت پیٹا ہلکر دنیا کا سکھ چین سب لپیٹ کے جہنم پہنچا دیا۔ گھر میں کیڑے پڑیں اس کے آمین! میری آنکھوں میں خاک، ستو کا پیالہ! اللہ میرا جانتا ہے کیا کیا ارمان لئے بیٹھی ہوں اپنی صلو کو پروان چڑھتے دیکھنے کے! بس چھ مہینے تو میں دکھیاری ماں نے ساری دنیا کی دولت سمیٹ کر اپنی بچی کے قدموں تلے بچھا دی۔ کوئی گہنا کوئی زیور۔ ایسا نہیں تھا جو پہنے نہ دیکھا ہو، سیکھتی ہو۔ پازیب بازوبند، ہنسلی۔ اور بالی۔ کنگن۔ چوڑیاں۔ چمپا کلی۔ سونے کا جڑاؤ دو گی۔ کپڑے دو سکتے تو بہت کچھ ہو رکھے ہوں گے کہ دنیا کہتی

کہ خواجہ صاحب کی پوتی کا بیاہ تھا۔ باقی جہیز کے بارے میں "وہ" ذرا مخالفت کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں کہ میں جہیز دہیز کا سخت مخالف ہوں۔ یہ سب جہالت کے ڈھکوسلے ہیں۔ جو کچھ دینا ہے نقد لڑکی کے ہاتھ میں دیدو ۔۔۔ خلاف تو وہ زیور گہنے کے بھی تھے۔ مگر میرے بہت سمجھانے بجھانے پر مان گئے۔ آگ لگے موئے اس فیشن کو جسے دیکھو بے دین اور لامذہب ہوتا چلا جا رہا ہے۔ نہ اللہ سے واسطہ نہ رسول سے غرض۔ یہ جہالت ۔۔۔ وہ جہالت ۔۔۔ بڑے بڑے چندے دینا! بائسکوپ اور تھیٹر دیکھنا بس یہی رہ گیا ہے۔ اللہ جانتا ہے جب سے یہ آفت چھپنے اخبار چھپنے لگے جبھی سے یہ نحوست دنیا پر چھا گئی ۔۔۔ روز روز کا بے تکان جھوٹ اللہ ہی ہے جو آسمان نہیں پھٹ پڑتا۔ آج فلاں جگہ لڑائی ہو گئی فلاں جگہ جھگڑا ہو گیا آج یہاں بلوہ ہو گیا کل وہاں۔ پرسوں گھوڑے کے پیٹ سے ہاتھی کا بچہ پیدا ہوا ۔۔۔ یہ ہوا وہ ہوا ۔۔۔ تمہیں بتاؤ جب تک یہ اخبار نہیں تھے۔ نہ کانگریس ہوئی نہ لیگ آئی۔ نہ گاندھی پیدا ہوئے نہ جناح ۔۔۔ نہ ہندو مسلمانوں میں جھگڑے ہوئے۔ سب امن چین سے رہتے تھے۔ نہ کوئی جھگڑا تھا نہ کوئی بکھیڑ۔ اور اب تو سنتے سنتے کان پک گئے ہیں۔ بھلا تمہیں خیال کرو کہاں ہماری سرکار اور کہاں جرمنی کے کفن کھسوٹ! شیر اور گیدڑ کا کون مقابلہ ۔۔۔ یہ سب اخباروں کا جھوٹ ہے جو کہتے ہیں کہ ہٹلر نے کوئی ملک جیت لیا ہے۔ خدا لگتی تو یہ پوچھو ہی ہے کہ ان موئے جھوٹے سچے اخباروں کو پڑھو ہی نہیں ۔۔۔ یہ کہتی ہوں میں نے تو اُن سے صاف صاف کہدیا کہ میرے گھر میں یہ جھوٹے سچے اخبار جو تم سیکڑوں لاتے ہو تو بس اچھا نہ ہوگا۔ تم کو اگر جھوٹ سچ پڑھنا ہی ہے تو منحوسیت دہلیز پر رکھو ۔۔۔ مجھے گھن آتی ہے۔ ابھی دو برس کی بات ہے

جب وہ لڑکی پیدا ہوئی تھی ان کے کسی دوست نے اخبار میں مبارک باد چھپوا دی۔ یہ بہت خوش خوش گھر میں اخبار لیکر آئے ـــــ پھر کیا ہوا دیکھ لیا تم سب نے! کیسی بھولی بھالی تھی۔ اللہ نے بلا لی ـــــ میرا تو کلیجہ لرز جاتا ہے جب دیکھ لیتی ہوں اخبار کو ننھی بچی کی صورت آنکھوں تلے پھرنے لگتی ہے۔

ہاں تو کہہ رہی تھی کہ بس لڑائی ختم ہونے کے بعد ہی ارادہ ہے کہ اس کا نکاح کر دوں پیام تو کئی آئے! لیکن بہن ـــ تم جانتی ہو کہ یہ زندگی کا ساتھ سابقہ ہے! اس میں ایسے معاملے میں بہت پھونک پھونک کر قدم رکھتی ہوں ـــ آج کل کے لڑکے ـــ! توبہ ـــ توبہ ـــ میرے سامنے ابھی دو دو پہاڑ ہیں۔ نہ جانے کیا مقدر میں لکھا ہے۔ مگر ایمان کی بات تو یہ ہے کہ جو جیسا ہوتا ہے ویسا ہی کہلاتا ہے ـــ مجھ کو تو اس زمانے کے طور طریقے خاک نہیں سمجھتے! ایک آنکھ نہیں بھاتے! یہ چودھویں صدی نوج لوٹ کر آئے! میاں نے بیوی کا گھونگھٹ اٹھاتے ہی ہاتھ میں ہاتھ دیا۔ بائیسکوپ، تھیٹر، سرکس، ہاٹ بازار، کچہری دربار، بندریا کی طرح لئے پھر رہے ہیں ـــ نہ پردہ، نہ برقعہ ـــ عزت و شرم کا نام ہی نہیں! دہی بیبیوں کا ایسا پہناوا۔ اونچی ایڑی کی گورگابیاں ـــ اُلٹی مانگ ـــ اللہ جانے اس زمانے میں کیا ہو گیا ہے کہ موئی کسبیوں اور بیویوں میں کوئی فرق نہیں رہا ـــ! اے ہے یہ آج کل لڑکے نہیں باپ پیدا ہوتے ہیں۔ باپ کی بوڑھی رو داڑھی مونڈیوں پر روز۔ روز نت نئے فیشن نکالتے ہیں ـــ داڑھی تو اصل خیر ہے اس زمانے میں فیشن پر بھینٹ چڑھ ہی چکی ہے۔ مٹھا ٹھا باٹھ بھی بالکل عورتوں جیسے بنتے چلے جا رہے ہیں! میں نے تو ارادہ کر لیا ہے چاہے میری صلوتا بہ زندگی یوں ہی کنواری پڑی رہے مگر بر دوں گی تو کسی ملّا کا

کے لڑکے سے ۔ جو حسب نسب ، چال چلن ، حسن و لیاقت میں برابر کا ہو ، نہ مجھ کو دولت چاہیے نہ گاؤں گراؤں ۔ بس کھاتا پیتا ہو ۔ چاہے دال روٹی سے مزے میں ہو ۔ لڑکی شوہر کے سہاگ سے [illegible] رہے ، میرے لئے یہی سب کچھ ہے ۔

۲

شوہر کی مرضی ہے تو لڑائی کے بعد ۔

"گنگا کی قسم کھا کر کہتا ہوں [illegible] ۔ [illegible] کر دس [illegible] گئے کی ضرورت کو ہم دل کا ۔ یہ لڑائی اور اب [illegible] طرح سے تو بالکل ٹھیک ٹھاک ہے ۔ اگر ہمیشہ ہوتی رہے تب بھی لالہ جی کو کچھ پسند نہ ہوگا [illegible] تو بس اتنی بات کی [illegible] کی وجہ سے بدیشی مشینیں تمام بالکل بند ہوگئی ہیں ۔

یاد ہو ان کے دیسی کی مشینیں اب اتنی پرانی ہو چکی ہیں کہ روز روز بگڑتی رہتی ہیں ۔ اگر ٹھیک ٹھاک سب مشینیں چلتی رہیں تو روزانہ کم سے کم دو من آٹا اور تین سو روپیہ کی آمدنی ہو سکتی ہے ۔ آٹے کی پیسائی تو تم دیکھ رہے ہو روزانہ کتنی بڑھتی چلی جا رہی ہے !

"[illegible] کا ڈر نہ ہوتا تو ہمیں چاہیے [illegible] لاکھ روپیہ کے قریب گیہوں سستے [illegible] ہو جاتا ۔ اب پتہ [illegible] سستے قریب [illegible] ہیں ۔ میں نے پانچ لاکھ روپیہ کا [illegible] [illegible] مہنگائی کا بھی حال [illegible] تو ڈیڑھ چار گنا [illegible] جائیں گے ۔ ذرا خیال رکھنا تین دن [illegible] ۔ [illegible]

تو نہ چھوڑو۔ میں نے سب انتظام کر لیا ہے دو ہی چار دن میں کئی چاندی گلانے والے سنار آجائیں گے۔ یہ روپے گلوا کر ان سب کی چاندی نکلوا لو۔ پچھلے سال تم دیکھ چکے ہو ملک کی چاندی کا بھاؤ کتنا بڑھ گیا تھا۔ یہی حال رہا تو ملک کی چاندی دونے بھاؤ چڑھ جائیگی۔

اب کی سمت پڑتے ہی سب پرانے کھاتے پڑ کے نئے بناؤ … لاکھ دو لاکھ سے زیادہ کی جمع خرچ نہ دکھانا۔ پھر روز روز کے ٹیکس، وار لڑائی کے چندے کہاں سے دیئے جائیں گے۔ اس دن ڈپٹی صاحب نے بلوا بھیجا تھا۔ چار ہزار مانگ رہے تھے پچاس … تم ہی بتاؤ اگر لالہ کوڑی مل پچاس پچاس روپیہ چندہ دینے لگے تو لڑائی سے پہلے ہی دیوالہ نکل جائیگا۔ میونسپلٹی کے چیئرمین آئے تھے اس دن۔ کہتے تھے کہ کلکتہ میں قحط پڑ گیا ہے سیٹھ۔ سب لوگ فاقوں مر رہے ہیں کچھ مدد کرو۔ چندہ دو!

میں نے کہا میرے پاس کیا دھرا ہے جو کلکتے اور بمبئی مدد کرنے جاؤں۔ میرے دروازہ پر خود ایک چھوڑ دو گائیں بندھی ہوئی ہیں انہیں کا چارہ پانی مشکل ہے۔ تم لوگوں کو چندوں کی پڑی ہے۔ نجانے کتنے جہاز روزمرہ سرکار غلے کے بھیج رہی ہے۔ اور کلکتے والے ہیں کہ بھوکوں مر رہے ہیں۔ اور پھر اگر ان کی اسی بہانے لکھی ہے تو کیا چندوں سے موت کی گھڑی ٹل جائیگی؟

چندہ، چندہ، چندہ! جدھر دیکھو یہی سنائی دیتا ہے۔ جیسے سیٹھ کوڑی مل نے دنیا کی … کا ٹھیکہ لے رکھا ہے۔ شہر بھر کے کام گرو … دھرم شالے … اناتھ … پاٹھ شالے بھی … تو چار چندہ مانگنے آ دھمکتے … چندہ دینا پڑتا ہے۔ کچھ آخر پتا بھی کوئی دین دھرم ہے۔ پوجا پاٹ … ستاروں کی کتھا

ایکادشی کے برت! سیٹھ جی سب کچھ کرتا ہوں ۔ اب بھی اگر ۔ نرک میں جانا میرے بھاگ ہی میں لکھا ہے تو اس کو میں کیا کروں ۔

ہاں — ! سنتے ہو ریز گاریوں کا بھاؤ روز بروز چڑھتا چلا جا رہا ہے ۔ اب ایک روپیہ کی دس آنے ہو گئی ہے ۔ ذرا ٹھہر و کہ کام کرنے کی ضرورت ہے بھگوان نے چاہا تو چند دنوں میں گھٹ گھٹا کر آٹھ آنے تک آیا چاہتا ہے بینک کے بابو سے مل کر ذرا بات چیت کر و ۔ اگر وہ پچاس ہزار روپیہ کی ریز گاریاں دلوا دیں تو نقد پچاس روپیہ دوں گا ۔ کوشش کرو شاید آ جائے رقمیں پر —

مونگ پھلی کے مل والے آجکل بہت ہلڑ مچا رہے ہیں کہتے ہیں یا تو مہنگائی کا بھتہ دو یا پھر تنخواہ بڑھاؤ ۔ میں نے تو صاف صاف کہہ دیا کہ یہ سب کچھ آجکل لڑائی کے زمانہ میں ہونا مشکل ہے ۔ محنت کرو اور جان توڑ کوشش کرو تو لڑائی کے بعد اکنی روپیہ کے حساب سے تنخواہ بڑھا دوں گا ۔ جونہہ یہ سب سمجھتے ہیں کہ اگر ہم لوگ کام چھوڑ کر چلے جائیں گے یا ہڑتال کر دیں گے تو مالک کو آدمی نہیں ملیں گے ۔ یہ جانتے نہیں کہ اگر سیٹھ گوڑی مل بڑے لاٹ صاحب کو سلام بول دیگا تو گرانچیوں میں بھر کر آدمی کلکتے سے آجائیں گے ۔ بیچارے بھوکوں مر رہے ہیں ؛ کھانے کپڑے پر یہ سودا کچھ مہنگا نہ ہوگا ۔ پھر اپنے یہاں تو بابا اور دادا کے وقت سے ۔ سدا برت ۔ جاری ہے ابھی اُس دن پانچ سادھوؤں کو پاؤ پاؤ بھر آٹا میں نے دلوایا تھا ۔ یہی کیا کم ہے پاؤ بھر آٹا آج کل دو آنے کا ملتا ہے پانچ کو دو نا دس آنے اسی طرح ہو گئے ۔ سال بھر میں ایسے ایسے دس پانچ خرچے ہو جاتے ہیں — نیکیوں کی بھلائی سے بھگوان بھی خوش ہوتے ہیں ۔ قحط پڑ گیا ہے ۔ بیچارے تکلیف میں ہیں ۔ کام کریں گے ادھر سے

سے کھائیں گے ۔ اور اگر یہ بھی نہ ہو تو بھی مجھے کیا کمی ہے! پندرہ ہزار سے کچھ زیادہ
ہی اسامی ہیں۔ اتنی روپیہ سود پر میں نے سب کو روپیہ دیا ہے غریبوں پر دیا کرنا ہی پڑتی
ہے کیا کروں بیچارے بھوکوں مر رہے تھے دین دھرم سمجھ کر اتنی روپیہ سود ہی پر دے
دیا۔ ورنہ بیاج تو آج کل بہت ہے ـــــ اگر میں ان لوگوں سے کہہ دوں کہ بھائیو!
ایک ایک مہینہ میری مل پر کام کر دو میں سود چھوڑ دوں گا۔ تو رام جانے ایسی
ایسی پانچ ملیں اور کھول دوں ـــ تب بھی آدمیوں کا ٹوٹا نہ ہو! چھوٹے منیم جی!
مجھے تمہارا بڑا خیال ہے۔ سچ پوچھو تو میں نے تم کو یہی سوچ کر دس روپے مہینہ پر
نوکر رکھا تھا کہ روز روز کی تنخواہ گھٹانے بڑھانے کا جھنجھٹ ہی نہ رہے۔ ورنہ
یوں تو آٹھ روپیہ پر بھی آدمی مل رہا تھا۔ مگر سچی بات تو یہ ہے کہ "ستارے
بار بار مہنگا رو ئے ایک بار" یہی خیال کر کے میں نے ایک دم سے دس روپیہ
مقرر کر دیئے تھے۔ کہ آئے دن کا جھگڑا نہ رہے۔ تم خود دیکھ رہے ہو آجکل
دنیا بھر کے روزگار ٹھپ پڑے ہوئے ہیں۔ سوائے گھاٹے کے نفع کا نام ہی
نہیں۔ اپنا تو یہ حال ہے کہ سونا چھوتے ہی تو مٹی ہو جاتا ہے ـــ کھانے پینے
سے الگ تکلیف ـــ ایندھن ملتا ہی نہیں مصیبت میں جان ہے ـــ تم کہتے
ہو تنخواہ بڑھاؤ ـــ میں خود اپنے دکھ میں پھنسا ہوا ہوں ـــ تم کو اپنی پڑی ہے۔
محنت کرو ـــ بھگوان کی اچھیا ہے تو لڑائی کے بعد کچھ تنخواہ ضرور بڑھاؤں گا۔

ـــ ٭ ـــ

ہچکولے

بیشک اگر احسان کا بدلہ نقصان ہی ہے تو میں نے سچ مچ یہ بہت بُرا کیا جو اپنے کوٹھے کا دروازہ نیچے کرایہ داروں کے پانی پینے کیلئے کھول رکھا تھا۔ کیوں کہ قریب میں میرے کوٹھے پرنل کے علاوہ اور کہیں آسانی سے پانی نہیں مل سکتا تھا۔ پھر بھلا حرج ہی کیا اگر زینے کا دروازہ بند بھی نہ کروں تو بھی میرے کمرہ کا تمام سامان حفاظت ہی سے رہتا۔

میری منہمک زندگی — مختصر سی زندگی — خاموش اور پرسکون تنہائی۔ مجھے یہی کا موقع ہی کب تھا یہ معلوم کرنے کی کوشش کرتا کہ نیچے گلی کی کوٹھریوں میں کتنے کرایہ دار رہتے ہیں — کیا نام ہیں ان کے — شوہروں پر ماتحوں اور موٹروں کی فیس داد دیتی کہ سیٹھ وائے۔ کتنے میرے چھپنے بچے انہوں نے پیدا کئے — یہ لوگ کیا کرتے ہیں۔ — ان کی تنخواہیں کیا ہیں وغیرہ وغیرہ — ؟

سو یہ ہے ؟ مشغلہ منہ بند کر دھو کر چپ چپ ہو کے بیٹھے رہتے ہول جانا — پڑھ کھانا — دوکان — پھر کوشش کرنا — پینا — کچھ پڑھنا۔ درسوزی — بقول غفور صاحب میری زندگی کا مقصد یہ تھا کے

پڑھتے پڑھتے ۔ جبرئیل " ہو جاؤں ۔
کبھی کبھار چھٹی کے دن جب کہیں " اسٹیڈی کیلئے نہ جاتا تو بھی میرا کمرہ تمام دن اندر سے بند ہی رہتا ۔۔۔ کیونکہ کمرہ کے باہر مختصر سے صحن میں برتنوں کے مانجھنے کی پیہم کھڑکھڑاہٹ ۔۔۔ بیدری کے ساتھ نل سے بہتے ہوئے پانی کی شرشراہٹ ۔۔۔ اور پھر نیچے رہنے والی عورتوں کی بے جوڑ اور گندی باتیں ۔۔۔ میرا دماغ پکا دیتیں ۔۔۔

" سوکھی لکڑی ملتی ہی نہیں " ۔۔۔؟
" مرلی کی بوا ۔۔۔ کیا پکایا آج "
" جانے رامو کی بہو کے لڑکا کب ہوگا ۔۔۔ دن تو پورے ہو چکے "
" دو دن سے نبا جلدی ہی بند ہو جاتا ہے "
" یہ بابو بھیتر سے کمرہ کیوں بند کر لیتے ہیں ۔۔۔ نہ جانے کیا بات "
" تونے سُنا ۔۔۔ ری ۔۔۔ بھوجی ۔۔۔ گنگا کی دُلھن بھاگ گئی ۔۔۔ اس ڈرائیور کے سنگ "
" اسپتال میں بھرتی ہو جاؤ ۔۔۔ "
" پنجاب میں بھیج لیگا ۔۔۔ چھی ۔۔۔ نا ۔۔۔ کو "
" دیکھ ۔۔۔ اتیرے دمودر نے کیسا مارا ہے ۔۔۔ میرے شیامو کو "
" ہمیے کا جی چھوڑ ۔۔۔ چل ۔۔۔ ہٹ "
" کیا کوئی چٹھی نہیں آئی ۔۔۔ "
" چہ ۔۔۔ چہ ۔۔۔ چہ ۔۔۔ لام پہ چلا گیا دکھیا ؟ "

میرے کوٹھے کے صحن پر اکثر اسی قسم کے معاملات چھڑے رہتے ہیں۔
گندی قسم کی غلیظ اور بے ہنگم کثیف عورتیں زیادہ تر میرے کوٹھے کو۔ ادھر کے کھیت
اور پگھٹ۔ کی ان رومانٹک ضروریات کے طور پر استعمال کرتیں جو اکثر اسی قسم کی
باتوں کیلئے مخصوص ہوئے ہیں اور جن کو ان لوگوں کا۔ دارالعوام۔ کہنا بیجانہ ہوگا۔ اور
میں نے آجتک کبھی بھی ان کے اس تکلیف دہ آرام میں کوئی مزاحمت یا دخل اندازی نہیں
کی۔ حالانکہ مکان کا مالک ہر دوسرے مہینے مکان خالی کر لینے کی دھمکیاں ہی دیا کرتا۔

۔ صاب ــــ سارا دن آپ کا بمبا ــــ بند ہی نہیں ہوتا ــــ چھت
پھٹی پڑتی ہے!۔

۔ آپ اپنا دوسرا انتظام کر لیجئے ــــ مجھے خود مکان کی ضرورت ہے۔
۔ نیچے زینے میں قفل کیوں نہیں لگا دیتے:
۔ تو میں کیا کروں ــــ آپ پانی نہ لینے دیجئے۔
۔ جناب روز ــــ روز ــــ ان کی مرمت نہیں ہو سکتی:

میں سخت عاجز تھا کہ مالک مکان کو کس طرح سمجھاؤں کہ پانی جیسی کم
قیمت چیز بند کرنیوالا۔ یزید۔ ہو جایا کرتا ہے ــــ آپ نے نیچے کرایہ دار تو ٹھہرا رکھے ہیں
ــــ لیکن ان کے پانی کا کوئی انتظام نہیں کیا ــــ صرف کرایہ ہی لینا جانتے ہیں آپ
چاہے مجھے گھر خالی کر دینا پڑے ــــ مگر قفل لگا کر پانی بند کر دینا میرے بس کی
بات نہیں ــــ

ان سب باتوں کے باوجود کبھی کبھی نرمی سے سمجھانا بھی پڑتا۔
۔ دیکھو تم لوگوں نے نل کو ستیاناس کر دیا ہے ــــ اگر زیادہ گڑبڑ

کرو گی تو جانتی ہو مجبوراً مجھکو زینہ میں قفل لگانا پڑے گا۔ سن لیا تم سب نے۔

سب عورتیں اپنی اپنی صفائی دینے لگتیں —— جیسے یہ سب کچھ ان لوگوں کا کیا دھرا نہیں ہے۔

"نا —— بابو —— نا —— میں نے کبھی بمبا خراب نہیں کیا —— وہ جو آتی ہے —— راجہ کی ماں اس کا سب قصور ہے۔"

"ہاں —— وہی تو بمبا کھلا چھوڑ جاتی ہے۔"

"اور مالن کے لڑکے بھی تو سارا دن پانی سے کھیلا کرتے ہیں" ——

—— نا بھوجی۔

"سرجو کی بہن نے تو اس دن بمبے کا پیچ نکال ڈالا تھا"

"ہاں —— بابو —— وہ رانی تو اس دن اس کوٹھڑی میں نہائی ہے"

غسلخانے کی طرف اشارہ کر کے ایک عورت نے کہا سچ مچ میرے غسلخانے میں بھی غلاظتیں دھوئی جاتی ہیں۔ میرے تن بدن میں چنگاریاں چھوٹنے لگیں۔ اللہ کی شان —— اب میرا غسلخانہ ان بیڈھنگی —— گندی —— اور غلیظ عورتوں کیلئے ہو گیا —— جی چاہتا تھا کہ فوراً ہی اس منحوس اور گندے گھر کو آگ لگا دوں —— اور اس غسلخانے کی اینٹ اینٹ کھود کر پھینکدوں۔ سر پیٹنے کرایہ دے کر باتیں میں سنوں —— اور غسلخانے میں نہ جانے کس قسم کی غلیظ اور گندی کثافتیں دھوئی جائیں —— گویا میرا گھر نہ ہوا بھٹیاروں کی سرا ٹھہرا —— زمانے بھر کی آلائشیں —— دنیا بھر کے روگ —— گندگی —— میرا جی متلانے لگا ——

میرے کہنے سُننے کا اتنا اثر تو ضرور ہوا کہ دو چار روز تک کچھ احتیاط سے استعمال کیا گیا — برتن دھیرے دھیرے مانجھے گئے — باتیں آہستہ آہستہ ہوئیں — اور بلا دروازے کا غسلخانہ صاف و ستھرا رہا — لیکن ہفتہ ہی بھر کے بعد یکایک یہ معلوم ہوا جیسے میرے خلاف سخت "ایجی ٹیشن" یا "تنبیہ گری" شروع کر دی گئی ہے — پھر وہی رفتار نہایت باقاعدہ طریقہ پر ستیاناسی کے ساتھ [illegible] دھار چھینٹ [illegible] — برتنوں کے دھونے مانجھنے کے بعد [illegible] بھی ہونا شروع ہوئی — نہایت ہی [illegible] ریاں — اور غلیظ دھبوں میں ڈوبی ہوئی دھوتیاں — [illegible] کتیاں [illegible] — اور نہ جانے کس کس قسم کے ٹوٹے پھوٹے [illegible] جانے لگے — [illegible] ستیاناس کیا جانے لگا — [illegible] کی بنیاد —

کپڑے دھونے کا صابن — بھی — [illegible] — اور [illegible] نے کہاں کہاں کے بال — خدا جانے — [illegible] — [illegible] بلا سبھی کچھ غسلخانے میں [illegible] — [illegible] کبھی کبھی [illegible] سے [illegible] جانے لگے — [illegible] کے علاوہ [illegible] — بلکہ چھت تک پانی کی چھینٹیں اڑ اڑ کر پہنچ جاتیں — مگر یہ سب کچھ اس وقت ہوتا — جب میں کالج میں اپنی قسمت کو رو رہا ہوتا —

دو تین ہفتے یونہی گذر چکے تھے — کہ میری سمجھ میں نہ آتا کیا کروں [illegible] کی باتوں کی [illegible] تمام ہو سکے — [illegible] قفل لگا کے اپنی [illegible]

میں چاہتا نہ تھا ـــــ لڑائی کی وجہ سے اوّل تو مکان ہونگے بھی بہت تھے ـ دوسرے ملتے ہی نہ تھے ـــــ پھر ایسے موقع کے مکان : بازار بھی قریب ! ہوٹل بھی نزدیک ! اور پھر کالج بھی دُور نہیں ـــ عجب مخمصہ میں جان تھی ـ

اِدھر نیچے کی کرایہ دار عورتیں تھیں کہ میرے ساتھ بہت ہی "سوشل" ہو جانے پر تلی ہوئی ـــــ

"لڑائی میں کیا ہوا نہ جانے"

"تمھارا مکان کہاں ہے بابو ـــ جی"

"ذرا بابو ـــــ یہ خط ـــــ پڑھ دینا"

"جانے یہ مہنگائی کب ختم ہوگی"

"بیاہ نہیں ہوا ـــــ ابھی تمھارا"

"بیچارے بڑے ہی اچھے ہیں بابو"

"ایک دوتی کے پیسے تو نہ ہوں گے ـــ تمھارے پاس"

"وکیلیت (وکالت) پڑھ رہے ـــ آپ نا ـــ؟"

"ایک چِٹھی بھی لکھ دو ـــ ننھّی کا ابّا ـــ لام پر چلا گیا ہے"

"ذرا ماچس دے دو"

میں سخت عاجز تھا کہ یا اللہ یہاں ہیضہ بھی نہیں پھیلتا کمبخت ملیریا اور تاسفائڈ بھی ڈرتا ہے ان لوگوں سے ـــــ نجانے گردن توڑ بخار ـــــ اور پلیگ آج کل کہاں مر گئے ہیں ـــ دنیا کے تمام ڈاکٹر جھوٹے ہیں ـــ جو کہتے ہیں کہ گندگی اور غلاظت سے بیماریاں پیدا ہوتی ہیں ـــ بالکل غلط یہاں تو دنیا بھر کی بیماریاں

خود سسکیاں لیکر ختم ہو جاتی ہیں — اور یہ سب مر کیوں نہیں جاتیں جو پیچھا چھوٹ جاتا میرا — اللہ کرے زلزلہ ہی آجائے کہیں کوئٹہ کی طرح — اور یہ مکان —
— یہ تمام کوٹھریاں — سب کچھ ڈھیر ہو جائیں —

ایک طرف تو میں ان سب کے مر جانے کی دعا مانگ رہا تھا دوسری جانب انہیں میں ایک نہایت مکروہ صورت بڑھیا — روزانہ کالج جاتے وقت اور واپسی پر طرح طرح سے آنکھیں چمکا کر — بڑی طرح کولھے مٹکا کر — عجیب عجیب قسم کے اشارے کر کے مجھ پر عاشق ہو جانے کی کوشش کر رہی تھی — روزانہ میرے نیچے سے اترتے ہی — پرانی میلی کچیلی ساڑی — سینے بالکل ہموار سینہ سے ڈھلکا کر — انگڑائیاں لیتی — زور زور سے کھانستی — کھنکورتی — ٹھنڈی سانسیں بھرتی — اپنی بے ہنگم اور بھدی پنڈلیوں کو کھول کر — اندر دھنسی ہوئی آنکھوں سے گھورنے لگتی — ومسکراتی —!

— کیا سکول جا رہے ہو — بابو —؟

— ایک آنہ ہے تو دیدو —!

— نجانے — کیوں — گھر میں — درد ہو رہا ہے [illegible] —

— کل تو [illegible] —؟

مجھے اس کی ان فضول اور بیہودہ حرکتوں پر رہ رہ کر بہت ہی غصہ آتا۔ اور میں بھلا کوئی جواب دیئے بغیر نفرت سے منہ پھیر لیتا —!

پانی بند کر دیئے اور قفل لگا دیئے گئے — ابھی تک نہ جانے [illegible] تھا کہ ایک

کالج سے مجھے دوپہر کو ہی واپس آنا پڑا ـــــ شائد اسٹرائیک ہو رہی تھی ـــ میں جو گھر پہنچا ہوں تو میرا غسلخانہ پانی کے نل کی بے پناہ آوازوں سے گونج رہا تھا۔ میرے غصے کی انتہا نہ رہی ـــ میری سمجھ میں بالکل نہ آیا کہ اپنے ہی غسلخانہ میں یہی مجھے اس طرح پروانہ چلے جلنے کا کیا حق حاصل تھا۔

ـــ پھر میں سکتے میں رہ گیا ـــ۔

ایک ہلکی سی چیخ کے ساتھ وہ اپنے دونوں پاؤں جوڑ کر اکڑوں دنی بیٹھ گئی اس کے سارے بدن پر کپڑے کا ایک تار بھی نہ تھا ـــ بکھرے ہوئے گھنیرے بالوں سے پانی اس طرح ٹپک رہی تھیں جیسے زور زور سے مینہ برس رہا ہو ـــ

"بابو ـــ اب کبھی نہ آؤں گی ـــ نہانے کیلئے ـــ"

اس نے آنکھیں جھکائے ہوئے کہا!

آج پہلی مرتبہ ایسا معلوم ہوا جیسے کثافتوں میں نور جگمگا اٹھا!

بالکل کمسن! گورے چٹے رنگ کی دُبلی پتلی لڑکی ـــ

کیا ایسے گندے اور کثیف ماحول میں یہ خوبصورتی بھی ہو سکتی ہے!

میرا دل دھڑکنے لگا ـــ۔

"مگر ـــ مگر ـــ تو ـــ! میں نے پوچھا۔"

"میں ـــ رانی ـــ ہوں! پرشادی بھیا کی بہن ـــ وہ بولی۔"

"رانی" میں نے سوچا وہ سچ مچ "رانی" ہی تھی ـــ میں جلدی سے غسل خانے سے باہر نکل آیا ـــ

"نہا لے ـــ خوب! میں جاتا ہوں گا ـــ"

نجانے کس طرح انا سیدھا پانی بہا کر جلدی سے وہ باہر نکل آئی —
اس کا چہرہ شرم و ندامت سے عرق عرق ہو رہا تھا — اور سینہ زور زور سے
اچھل رہا تھا —

"تو روز نہا جایا کر — آکر" میں نے خود سے دعوت دی۔
"نا — بابو — اب کبھی ایسی خطا نہ ہوگی" وہ کہنے لگی۔
"نہیں — نہیں — میں خفا نہیں ہوں — رانی!"
اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ جلدی جلدی وہ زینے سے نیچے
اتر گئی —

آج اتنے دنوں بعد بھی میں [illegible] کی طرف کھنچتا ہوا محسوس ہو
[illegible] ایک بے پناہ [illegible] نظر آنے
لگی — [illegible] گندے
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] گیا جا —
[illegible]

ہفتہ بھر میں کئی مرتبہ میں وقت بدل بدل کر کالج سے ناوقت واپس آگیا لیکن ایک دن بھی ایسا نہیں ہوا کہ میرے غسل خانے کا آہنی نل زور زور سے پانی بہا رہا ہو۔ کئی بار میں غسل خانے کے اندر تک پہنچ گیا لیکن وہاں کوئی نہ تھا! مجھے نیچے بھی رانی نظر نہ آئی ۔۔۔ جانے کہاں رہتی ہے وہ ۔۔۔ ؟ یہ پرشادی کون ہے؟ کیا کرتا ہے ۔۔۔ یہ کن نمبر کی کوٹھری میں رہتا ہے ۔۔۔ ! مجھے آج تک معلوم نہ تھا ۔۔۔ اتنے دنوں میں کبھی میں نے ان لوگوں کی بابت کسی سے کچھ بھی نہیں پوچھا ۔۔۔ اب کیسے پوچھوں ۔ کس سے ۔۔۔ اور کیا پوچھوں ۔۔۔ ؟

تو ایک دن میں اپنے کمرے میں بیٹھا ہوا ۔۔۔ دل کی دھڑکنوں کا شمار کر رہا تھا کہ پوسٹ کارڈ ہاتھ میں لئے ہوئے وہ آگئی ۔۔۔ گہرے رنگ کی سیاہ دھاری سے سرخ بلوز میں جسم بھی اس طرح چمک رہا تھا۔ جیسے کالے بادلوں میں سے جھانک رہا ہو۔

میں نے اختیار ہو کر اٹھ کر کہا ۔۔۔

" ہاں ۔۔۔ تم ۔"

" بابو ۔۔۔ ذرا یہ خط پڑھ دو ۔" اس نے پوسٹ کارڈ میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

" کہاں سے آیا ہے ؟" نہایت گھبرایا ہوا تھا سوال میں نے کیا۔

" جانے کہاں سے ۔" آنکھیں گھماتی ہوئی بولی ۔۔۔ " شاید بچے نے بنارس سے بھیجا ہوگا ۔۔۔ !"

میں نے اپنے سوال کی لایعنیت پر شرمندہ ہو کر سارا خط زور زور سے

پڑھ کر سناتے ہوئے پوچھا:۔

"جواب لکھ دوں ــ رانی۔ ــ اب تم نہانے نہیں آئیں ــ

کیا بات ہے ــ؟

"بات تو کچھ نہیں ــ وہ برابر نگاہیں نیچے کئے رہی ــ ماتا جی:

بیمار ہیں:۔

"کہاں ــ کیسے ــ کب ــ میں سب کچھ جلدی جلدی

پوچھ لینا چاہتا تھا ــ:

"بخار ہو گیا تھا ــ اب کھانسی بھی آنے لگی۔ وہ بولی

"دوا نہیں پیتی۔ میں نے ہمدردی کے لہجے میں کہا۔

"ہاں دوا تو ہسپتال سے لائی تھی ــ پر ــ فائدہ نہ ہوا ــ اس

نے جواب دیا "اچھا اب چلتی ہوں ــ:

اس نے چلنے کے لیے قدم اٹھایا ہی تھا میں نے پوچھا ــ

"جواب ــ ــ جواب نہیں لکھواؤ گی ــ؟

"ماتا جی ــ پوچھ لوں۔

اس نے [illegible] کہتے ہی [illegible]۔

مجھے انتظار کرتے تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی۔ وہ لوٹ آئی:

"ماتا جی کہتی ہیں ــ بکھمد بابو ــ بڑی دیا ہوگی ــ

ان کی نگاہ جواب سے ستیا میں بہنے لگیں ــ

"دیا ہوں ــ کیسی دیا ــ بیٹھ جا ــ رانی ــ میں نے چپکے سے

کہا ۔ میرے دل کی رانی ــــ!

نہیں ــــ بابو ــــ میں مزے ــــ میں ..... ؛

میں نے زبردستی شانے پکڑ کر کرسی پر بٹھا دیا ــــ

۔ رانی ۔

چٹھی ــــ لکھدو ــــ بابو ــــ اس نے کہنا شروع کیا ۔ لکھدو ۔ ماتا جی کو بخار ہے ــــ اور پرشادی بھیّا کی نوکری بڑھ گئی ہے ! ــــ اور ــــ اور ــــ پرنام ــــ اور ــــ اپنی خبر لکھو ــــ سُندری کا کیا حال ہے ــــ اور ــــ سب راضی خوشی ــــ سب کو رام رام ــــ متھرا کی ماں ــــ جاڑے بخار میں مر گئی ــــ اور سب کو رام رام ــــ سب راضی خوشی ــــ

وہ یکایک کہتے کہتے رُک گئی ــــ

پر ــــ خط تو ہے نہیں ــــ ڈاک خانہ بھی بند ہو گا ــــ

میں نے کہا ۔

گھبراتی ــــ کیوں ہے ــــ سب ہو جائے گا !

میں نے جلدی جلدی میز کی دراز سے پوسٹ کارڈ نکال کر لکھنا شروع کر دیا ــــ!

اور کیا لکھدوں ــــ ؟

اور ــــ اور ــــ جو جی میں آئے لکھدو !

اپنی ساری کے پلّو سے کھیلتی ہوئی وہ بولی ۔

مجھے تو اس کی سادگی پر ہنسی آ گئی ۔ وہ بھی جھیپ کر مسکرا اٹھی ۔

میں نے دو چار رسمی باتیں بڑھا کر پوسٹ کا سادہ حصّہ بھی سیاہ کر دیا۔
۔ لکھوائی ۔۔۔ دو ۔۔۔ رانی ؛
۔ لکھوائی ۔۔۔ وہ حیرت سے میری طرف دیکھنے لگی !
۔ ہاں ۔۔۔ ہاں ۔۔۔ لکھوائی ۔۔۔ یہ خط جو لکھا ہے میں نے اس کی لکھوائی مانگ رہا ہوں ؛ میں نے کہا۔
۔ مگر ۔ وہ حیرت سے میری طرف دیکھ رہی تھی ۔۔۔ میرے پاس کچھ نہیں بابو ۔۔۔ !
میں نے ہنستے ہوئے کہا ۔۔۔ لیکن لکھوائی تو دینا ہی ہوگی ۔
۔ ماتا جی دیں گی ! وہ بولی کتنے پیسے ہوئے ۔
اس کے چہرے کا اضطراب و پریشانی پکار پکار کر کہہ رہا تھا کہ اگر اسے پہلے معلوم ہوتا کہ لکھوائی کے پیسے بھی دینا پڑیں گے تو وہ خط نہ لکھواتی ۔
اس کی پُر اضطراب سادگی مقناطیس کی طرح مجھے اپنی طرف کھینچنے لگی ۔
میں اپنی کرسی سے اُٹھ کھڑا ہوا ۔ اس کے بھولے پن اور سادگی پہ میرا دل بیقرار ہو گیا ۔۔۔ میرا دھڑکتا ہوا دل اس کے اُبھرے ہوئے سینے کے مد و جزر میں ہچکولے لینے کیلئے بڑھتا چلا گیا ۔۔۔ اور ۔۔۔ میرے لب اس کے دہکتے ہوئے رساروں کے قریب پہنچ گئے ۔۔۔
۔ رانی ۔
۔ دروازہ کی آڑ سے سامنے آکر وہ پکاری ۔
وہی بدشکل بڑھیا ۔۔۔ جو مجھ پہ ریجھی ہوئی تھی ۔۔۔ بجلی کی طرح کوند

کررانی کمرہ سے باہر اور زینے پر! میں سکتے میں جہاں کا تہاں کھڑا ــــ رہ گیا بڑھیا کا یہ المنظر بڑھیا ــ اب وہیں کھڑی تھی جہاں پر رانی میرے دل کی رانی تھی! بڑھیا کے پچکے ہوئے گال ــ ریس کورس کے میدان جیسا چٹیل سینہ میرے دھڑکتے ہوئے دل کے مدّوجزر میں ہچکولے کھا رہا تھا ۔ بد رونق ــــ اور ــــ دھنسی ہوئی آنکھیں ــــ چمک رہی تھیں اس کی ــــ وہ مسکرا رہی تھی!

"بابو میں ــــ کسی سے کہوں گی ــــ نہیں"

"دیگر احوال یہ ہے"

ابھی شاہجہان پور پہنچے ہوئے مجھے ایک ہفتہ بھی نہ گزرا تھا کہ نہایت ہی معتبر ذرائع سے معلوم ہوا کہ اس دارِ فانی میں میرے ایک بالکل قریبی نہیں۔ بلکہ یوں سمجھ لیجئے حقیقی رشتہ دار موجود ہیں۔ یعنی کہ میری نسبت آرام گاہ و بیوی کے سگے۔ نانازاد۔ ۔۔۔ خالو ابا ۔۔۔ میں ابھی علم الانساب۔ کی اس بھٹک گتھی میں الجھا ہوا سوچ ہی رہا تھا کہ الٰہی ان بیوی زاد" رشتہ داروں کی نسلی اور تخمی کتنی قسمیں ہوتی ہیں ۔۔۔ اور آیا جراثیم و وٹامن کی طرح ان کی تقسیم بھی اے۔ بی۔ سی۔ ڈی۔ تک کی جا سکتی ہے۔ یا نہیں کہ نا گہاں میاں خیر اللہ میرے آقائے نامدار نے آکر اطلاع دی ۔۔۔:

ایک صاحب ۔۔۔ صاحب ۔۔۔ آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔ مولوی عبدالمنان صاحب ۔۔۔:

میں نے سوچا ۔۔۔ ایک صاحب ۔۔۔ اور وہ ۔۔۔ بھی ۔۔۔ مولوی ۔۔۔ پھر عبدالمنان ۔۔۔ خداوند یہ ماجرا کیا ہے حقیقتاً میں ان ۔۔۔ مولویوں سے ایسا ہی لرزتا ہوں جیسے قصائی سے وہ بڑا جانور ۔۔۔ جس پر اکثر بقر عید کے دن ہندوستان میں نہایت فراخدلی کے ساتھ کشت و خون

ہو جایا کرتا ہے ـــ!

مولوی ـــ وہ چاہے کسی درجہ کا کیوں نہ ہو ـــ بہر حال مولوی پھر مولوی ہی ہوتا ہے ـــ یہ اور بات ہے کہ ذرا "ہز ہولی نس" قسم کے مولوی زیادہ دلفریب و جاذب نظر ہوتے ہیں ـــ اور کم از کم براہِ راست اللہ میاں کو "رنگ" کر لیتے ہیں ـــ ان کے قبضے میں جو جنتیں ہوتی ہیں وہ اعلیٰ قسم کی ـــ جیسے ہندوستانی ریلوں کے فرسٹ کلاس "کمپارٹمنٹ" یعنی جتنا گڑ ڈالئے اتنا ہی میٹھا ہوگا ـــ اس لئے چھوٹے درجہ کے مولوی ـــ ذرا چھوٹے درجہ کی "جنت" دے سکتے ہیں ـــ بہر حال میں یہی سب کچھ سوچ رہا تھا کہ ـــ کانوں میں "سلام علیک" کی آواز گونج اٹھی ـــ!

میں نے "وعلیکم السلام" کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہوتے ہوئے عرض کیا ـــ!

تشریف رکھیئے ـــ کیسے زحمت فرمائی جناب نے ـــ!

کمرے کو چاروں طرف دیکھتے ہوئے بولے ـــ!

جی ـــ جی ـــ مجھے صدیقی صاحب سے ملنا ہے ـــ!

میں نے ادب سے کہا۔

میں ـــ حاضر ہوں ـــ فرمایئے ـــ؟

آہا ـــ ہا ـــ حیرت سے صوفوں کے گدوں میں دھنستے ہوئے بولے ـــ آپ ہی ہیں ـــ جی بہت خوب ـــ آپ نے مجھے پہچانا نہیں ـــ خوب ـــ"

جلدی سے لپک کر میرے ہاتھوں میں پنجہ لڑانے کے انداز سے چمٹ

پڑے ——!

کمال کیا —— تم نے —— ارے بھئی تم تو میرے بہت ہی قریبی عزیز

ہو! میرے گھر میں خدا بخشے تمہاری پہلی بیوی کی خالہ ہوتی ہیں —— بس یوں سمجھو کہ

تمہاری ننیا ساس۔ اور میری خوشدامن صاحبہ مرحومہ، خدا مغفرت کرے ——

ان سب کے آباؤ اجداد خلد آشیاں غازی سلطان محمود غزنوی کفر شکن

رحمۃ اللہ علیہ کے پہلے حملہ میں عرب سے ایک ساتھ آئے تھے ——، وہاں سب

میں بہت ہی میل محبت —— اخلاص و یکجہتی —— آپس داری و مروت تھی۔

چہ —— چہ —— چہ —— کیا لوگ تھے —— کیا زمانہ تھا —— اب

دیکھ لیجئے —— ایک دوسرے کو کھائے جاتے ہیں —— بگڑے جاتا ہے ——

سب —— کفر —— الحاد —— بے دینی —— شرک —— بے مروتی ——

کج خلقی —— میں تم سے کیا کہوں —— دنیا کا کیا حال ہوتا چلا

جا رہا ہے ——!

مولوی صاحب مسئلۂ وعظ کو زیادہ شرح و بسط کے ساتھ جاری

رکھنا چاہتے تھے —— مگر میری طبیعت اُلجھ رہی تھی۔ میں نے دخل

در معقولات کرتے ہوئے کہا ——

بڑی خوشی ہوئی جناب سے مل کر —— دولت خانہ

یہیں ہے نا ——؟

یہی تو کہہ رہا تھا میں —— پھر ارشاد ہونے لگا۔ میاں برادران

یوسف کی چیرہ دستیوں نے مجھے بے گھر کر دیا ـــــ اب کوئی پندرہ سال سے تو یہیں ہوں ـــــ مگر تمہاری خالہ جان البتہ وہیں مرادآباد میں ہیں اور نورِ چشمی فہمیدہ سلمہا بھی ـــــ بڑی اچھی لڑکی ہے ـــــ اب میں کیا بیان کروں تم سے ـــــ!

کلام پاک ـــــ اردو فارسی ـــــ سب کا تکملہ کر چکی ہے ـــــ!

زمانے کی حالت دیکھتے ہوئے ـــــ میں کہتا ہوں تم سے کیا پردہ ـــــ لڑکیوں کے انگریزی سکول میں بھرتی کرادیا ہے ـــــ حالانکہ سچ پوچھو تو میں لڑکیوں کی انگریزی تعلیم کے سخت خلاف ہوں ـــــ مگر صرف ان کا خیال ہے وہ کہتی ہیں ـــــ اور ٹھیک کہتی ہیں ـــــ بڑھاپے کی اولاد سے محبت ہی زیادہ ہوتی ہے ـــــ پھر جو اولاد بارہ بچوں میں زندہ بچے اس کی محبت کہاں تک نہ ہوگی ـــــ ہاں تو کہہ یہ رہا تھا کہ مسلمانوں کی اخلاقی پستی کا سبب یہ فرنگیوں کا تمدن ہے ـــــ مجھے تو قطعی نفرت ہے اس تعلیم سے ـــــ!

قطع کلام ، میں نے قطع کلام کرتے ہوئے پوچھا ـــــ!

اور جناب کیا شغل فرماتے ہیں یہاں ـــــ

میں ـــــ مولوی صاحب نے کہا ـــــ میں یہاں شاہی مسجد میں ، امام جمعہ والجماعت ہوں ـــــ

مختصر یہ کہ مولوی صاحب کافی دیر تک میرا دماغ چاٹتے رہے ـــــ اسلام کا عروج و زوال ـــــ مسلمانوں کی بدحالی ـــــ روزہ نماز ـــــ چندہ اور

دوزخ ــ جنگ ــ تعلیم نسواں ــ آزادی ــ شاعری ــ شاہجہانپور کی مسجدیں ــ غرضکہ دنیا کا کوئی موضوع ایسا نہ تھا جس پر کچھ نہ کچھ سمع خراشی نہ کی گئی ہو ــ! پھر لطف یہ کہ چلتے وقت آئندہ آنے کے لئے وہ انشاءاللہ کہہ گئے ــ!

دوسرے دن جب مولوی صاحب پھر تشریف لائے ــ کچھ زیادہ شہرت و دبدبہ کے ساتھ ۔ مواعظ حسنہ ۔۔ بیان فرمانے کی بجائے مختصر الفاظ میں کفایت شعاری پر کچھ روشنی ڈالا ــ مسلمانوں کو لہو و لعب اور فضول خرچیاں چھوڑ دینا چاہئے ــ اور کفایت شعاری سے کام لینا چاہئے ــ قیامت کے دن قریب ہیں وغیرہ وغیرہ ــ!

چلتے چلاتے بادامی کاغذ کی ایک پڑیہ بڑھاتے ہوئے کہنے لگے ــ یہ خط اپنی خالہ جان کو دے دینا ــ

بات یہ تھا کہ پہلے دن اثنائے گفتگو میں میں نے عنقریب اپنے مرادآباد جانے کا ارادہ ظاہر کر دیا تھا ــ چنانچہ یہ بادامی کاغذ کی پڑیہ دراصل ایک دستی خط تھا جو مولوی صاحب نے اپنی بیوی کی بیٹی میری ۔ خوشدامن ۔ کی خدمت اقدس میں ارسال فرمایا تھا ــ جس کے ۔ اوپری ۔ کونے پر نہایت چمکیلی سیاہ روشنائی سے ۔ بیوہ ۔ اور ۔ دکھنی ۔ کونہ پر ۔ دستی ۔ تحریر تھا ــ

خودساختہ لفافے کی تمام چولیں نہایت حفاظت سے چپکا دی گئی

تھیں — کہ کہیں میں ان کا یہ محبت نامہ کھول کر نہ پڑھ لوں —!

ظاہر ہے کہ اتنے چھوٹے سے کام کیلئے ایسے نزدیکی رشتہ دار سے انکار کرنا نہ محض بداخلاقی تھی — بلکہ اپنی مرحوم بیوی کی روح کو ایک طرح سے تکلیف دینا تھا —

مرادآباد پہونچتے ہی میں نے یہ خط مولوائن صاحبہ کی خدمت میں بھیجدیا — لیکن نوکر نے واپس آکر یہ سنائی سنائی کہ مولوائن صاحبہ نے پوچھا ہے کہ آپ کب شاہجہان پور واپس جائیں گے — جس کے کھلے ہوئے معنی یہ تھے کہ کم از کم مولوائن صاحبہ کا محبت نامہ بھی بیجانا ضروری ہوگیا! تیسرے دن شاہجہان پور واپسی کے وقت ایک چھوٹی سی پوٹلی میں کتری ہوئی چھالیا۔ چکنی ڈلی وغیرہ مع ایک خط کے پہونچ گیئں —!

شاہجہان پور پہونچکر یہ سامان اور خط میں نے مولوی صاحب کی خدمت میں بھیجدیا — چنانچہ سامان پہونچتے ہی مولوی صاحب بصد شکریہ خود تشریف لے آئے — ؛ دیر تک مرادآباد کے چشم دید حالات نہائت اشتیاق و انہماک سے پوچھتے رہے —!

منشی نیازالدین صاحب تو اچھے ہیں —؟

اور مولوی کرم علی صاحب کی بیوی — چہ — چہ — چہ — کیا خوب آدمی تھے —!!

اب اس بڑی مسجد میں نماز کون پڑھاتا ہے — آجکل —

تو آپ خود گئے تھے اپنی خالہ جان کے پاس —؟

لاحول ولا قوۃ ــــ ارے بھئی تم سے کون پوچھے ــــ چہ خوش!

اب کب تک قصد ہے انشا اللہ ــــ!

ظاہر ہے کہ اس قسم کے لغو سوالات کا میں کہاں تک جواب دے سکتا تھا ــــ مولوی صاحب تھے بہشتی ــــ ناکی ــــ اور بہتروں تک کی خیریت معلوم کرنے کیلئے بے تاب ــــ! بڑی مشکل سے رخصت ہوئے ــــ

اب باقاعدہ یہ ہونے لگا تھا کہ مولوی صاحب میرے مراد آباد جانے کے پروگرام سے باخبر رہنے لگے ــــ اور ہر مرتبہ کم از کم ایک دستی خط ــــ اور میلے کپڑوں کی گٹھری وغیرہ اسٹیشن پہونچ جاتے ــــ مجھے خدا حافظ کہتے ہوئے یہ سامان میرے سامان کے پاس احتیاط سے رکھدیا جاتا ــــ

اور بس ــــ!!

مراد آباد سے واپسی پہ مجھے اس سامان کے۔ تبادلے۔ میں کتری ہوئی چھالیہ، پکا ہوا کتھا، دھلے ہوئے کپڑے ــــ ایک آدھ حلوہ حبشی کے لگے ہوئے پانوں کی ڈبیا تک اکثر لانا پڑتی ــــ اور تھوڑے ہی دنوں میں ایک اچھی خاصی۔ دو طرفہ تجارتی گشتی۔ بن گیا تھا ــــ جو مادر سے خام پیداوار لیکر دوسرے ملکوں میں لیجاکر وہاں سے۔ درآمد۔ میں ایسی چیزیں لاتا تھا جن کا دستیاب ہونا اپنے دیس میں ممکن نہ تھا ــــ!

حسب دستور قدیم ایک مرتبہ جو مولوی صاحب مجھے خدا حافظ کہنے کیلئے آئے تو پورے تین بکس کپڑوں کے ــــ اور ایک خوان کھانے کا۔

ایک بورے میں تانبے کے برتن ——— اور صرف ایک دستی خط ساتھ تھا —
گاڑی چھوٹنے میں وقت بہت کم تھا انہوں نے جلدی جلدی سب سامان بھر
وادیا میرے درجہ میں ——— اور یہ عرض کرنے کا موقع ہی نہ دیا ——— کہ جناب
اس لڑائی کے زمانہ میں تن تنہا سفر کرنا تو دشوار ہے، چہ جائیکہ اس کثرت سے سامان
لاد دیا جائے!

ٹرین روانہ ہونے سے پہلے ہی مولوی صاحب نے خدا حافظ کہہ دیا تھا۔
اور سارے درجہ میں بیٹھے ہوئے مسافر میری جان کھائے جا رہے تھے —

اجی ——— یہ سامان بریک میں رکھوائیے! یہاں جگہ نہیں ہے!

رام ——— رام ——— اوپر نہ رکھیئے گا کھانا ——— گنگا جلی رکھی ہے
وہاں ———!

واہ صاحب ——— بکس ہٹائیے کھڑکی کیسے کھلے گی —

مسٹر ———! یہ مال گاڑی نہیں ہے ——— ڈیرہ ہے!

کہاں جانا ہے ——— آپ نے —؟

مارے غصہ کے میرا خود برا حال تھا ——— جی چاہتا تھا کہ سارا سامان کھڑکی
سے نیچے پھینک دوں ——— یا خود کھڑکی سے کود کر خودکشی کر لوں ———!

کیسے کمینے ہوتے ہیں وہ لوگ ——— جن کو دوسروں کی تکلیف کا کوئی
خیال نہیں ہوتا ——— خود غرضی تو دیکھئے پورے ویگن بھر سامان لاد دیا ہے
مجھ پر ——— یہ کفائت شعاری پر لیکچر جو دیئے جا رہے تھے اس روز ——— وہ اسی
روز بد کیلئے تھے ——— تاکہ دوسروں کو زحمت میں ڈال کر اپنا کام نکالا جائے۔

یکایک برتنوں کے بورے کی رسّی جو کھلی تو ایک تانبے کا لوٹا جھانکنے لگا
— جس پر موٹے موٹے لفظوں میں ۔ رشید احمد خان یوسف زئی ۔ لکھا ہوا
تھا —— میرے پیروں کے نیچے سے زمین نکل گئی — یہ شاہجہان پور کے ایک
بڑے رئیس تھے —— جن کا انتقال ایک مہینہ پہلے ہو چکا تھا — یعنی یہ
جو کچھ سامان میں لئے جا رہا تھا خاں صاحب کے چالیسویں میں بطور رشوت
کے مولوی صاحب کو پیش کیا گیا تھا — تاکہ وہ مرنے والے کے لئے جنت
میں ایک اچھی سیٹ ۔ ریزرو ۔ کرا دیں — کھانے کا یہ ٹب خوان بھی انہیں کا
توشۂ آخرت تھا — اور ان صندوقوں میں انہیں کے کپڑے تھے — شاید —!
گویا کہ — اس عالم میں اگر کوئی جاننے والا دیکھ لیتا مجھے تو یہ یقین نہ کرنے کی کوئی
وجہ بھی نہ تھی کہ آپ کا شمار بھی خدانخواستہ ۔ ذوی القربیٰ والیتامیٰ والمساکین ۔ میں
ہونے لگا ہے اس لڑائی کے زمانہ میں —!
کچھ غصہ — کچھ شرم — کچھ ذلت —! ایک عجیب حال تھا میرا —
کئی اسٹیشنوں تک میری سمجھ میں یہ آیا ہی نہیں کہ دن پر یہ چیونٹیاں سی کیوں رینگ
رہی ہیں شیروانی کے نیچے تو کیوں —؟ لیکن جب ہاتھ سے جھاڑ کر دیکھتا ہوں
تو چکنی چکنی دھار سے قورمہ کی پیٹ پر رِس رہی ہے دھیرے دھیرے —!
شیروانی کے کالر سے لیکر پائجامے تک رشید احمد خان صاحب کے چالیسویں
کا قورمہ بہہ رہا تھا — میرے جھینپنے اور سامنے پر وہ ایک مسافروں نے
تو کھڑکی سے منہ نکال کر رومال لگا لیا — پاس سے بیٹھے ہوئے دو تین مسافر
کچھ سرک گئے —!

زیادہ مار میں تو یہ بھول جاتی ہے ـــــ میرا بھی حال تھا اس وقت!
بدحواس اور پریشان ـــــ! کہ یا اللہ کیا کروں ـــــ؟ جیسے کیسے خوان کھول کر پلیٹیں برابر کیں اور اپنی جگہ پر چپ چاپ بیٹھ گیا ـــــ

راستہ میں کئی مسافروں نے یہ معلوم کرنے کی کوشش کی ــ کہ آخر کھانا ساتھ لانے کی کیا وجہ تھی ـــــ مگر میں نے کسی قسم کا بیان دینے سے صاف انکار کر دیا ۔
اب گاڑی مراد آباد کے قریب پہنچ چکی تھی۔ میں نے جیب سے مولوی صاحب کا دستی خط نکال کر اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے کھڑکی سے باہر اڑا دیئے!

اسٹیشن آ چکا تھا کئی قلیوں نے مل کر یہ سامان باہر نکالا ـــــ چو چک ہوتے ہی کانٹے پر پہونچا دیا گیا ـــــ گیارہ روپیہ سوا تین دیکر میں جو پلیٹ فارم سے باہر آیا ہوں تو میرے پاس قلیوں کو دینے کے بھی دام نہ تھے ـــــ بیچارہ تانگے والا شریف تھا ـــــ اس نے یہ مشکل بھی آسان کی ـــــ!

گھر پہونچتے ہی پہلا کام جو کیا میں نے وہ یہ تھا کہ یہ تمام کھانا کپڑے اور برتن وغیرہ محتاجوں کو تقسیم کر دیئے ـــــ جو نہایت صمیم قلب سے میری مغفرت کے لئے دعائیں کر رہے تھے ۔

بھوک ہڑتال !

اے ہے — دو گز لٹھے کی اوقات ہی کیا تھی — میں نے کہا —!
کہتے کہتے زبان سوکھ گئی — مگر آپ ہیں کہ سنتے ہی نہیں — دو دن میں بقر عید آئی جاہی ہے — نگوڑا محبوب ننگا پھریگا ننگا — ؟

جیسے ایک دم سے ہوائی حملہ کا بگل بج گیا ہو اس طرح بیگم بول رہی تھیں گردشیا اور دن میز پر ٹپکتے ہوئے پھر سے بیان جاری کردیا —

اور آپ ہیں — کہ دن ہوئے یہ اخبار ، رات اخبار — نہ گھر سے مطلب — نہ بچوں سے غرض : بس جو ہیں گھنٹہ ختم ہے اور اخبار — یہ گنتی ہو نوج کسی کو اخباروں کا روگ لگ جائے —!

بیگم — میں نے عینک کی کمانی کو سہلاتے ہوئے کہا : نہیں ملتا تمہاری جان کی قسم — سارا امین آباد ڈھونڈ ڈالا — نخاس اور یزدہ چھان مارا — مگر لٹھے کا نام نہیں — تم تو جانتی ہو کہ لڑائی کے زمانہ میں —!

ہاں ! ہاں — میں خوب جانتی ہوں ۔ بیگم نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا — سارا لٹھا جرمن اور جاپان کے کلیجہ میں گھس گیا — آفت پڑے اس لڑائی

پر ـــــ اچھا بہانہ مل گیا ہے ان سب کو! کوئی چیز ہو ـــ لڑائی کی وجہ سے نہیں ملتی ـــــ جیسے ساری دنیا کی چیزیں لڑائی پہ چلی گئی ہے ـــــ نوکر ہیں وہ نہیں ملتے ـــــ مکان ہیں وہ نہیں ملتے ـــــ مہینوں سے کہہ رہی ہوں کہ یہ مکان سردیوں میں رہنے کے قابل نہیں ـــــ مگر آپ ہیں کہ ایک کان سنا اور دوسرے کان اڑا دیا ـــــ

سنو گی بھی کسی دوسرے کی یا اپنی ہی کہتی چلی جاؤ گی! میں نے کہا میں کہتا ہوں ـــــ

ہاں ـــــ کیا کہتے ہیں آپ ـــ؟ بیگم بولیں ـــ۔

عرض کر رہا ہوں میں کہ ۔ میں نے کہا ۔ لڑائی کی وجہ سے تمام آدمی کارخانوں میں کام کرتے ہیں اسی سے ہر چیز کا توڑا ہے ـــــ ملینہ تو اب مارکٹ میں ہے نہیں ـــــ!

اور وہ جو نصیر میاں کی بیوی نے ابھی چار پانچ روز ہوئے منگوایا ہے وہ کہاں سے آگیا ـــــ بیگم نے جواب دیا ـــ۔

اب یہ مجھے کیا معلوم! میں نے کہا ۔ انہیں نصیر میاں کی بیگم سے پوچھو! کہیں بلیک مارکٹ سے خریدا ہوگا انہوں نے ـــ

تو پھر تم بھی وہیں سے لے آؤ ـــ بیگم بولیں ـــ

واہ بھئی واہ ـــ! یہ بھی تم نے اچھی کہی ـــ بیٹھے بٹھائے مجھے جیل خانے بھجواؤ گی ـــ میں نے جواب دیا ـــــ!

جی ہاں ـــ! وہ کہنے لگیں ـــ اور نہیں تو کیا ـــ نصیر میاں بھی تو خدا نہ

کرے جیل خانے چلے گئے ـــ یہ سب باتیں بس ایک نہ ماننے کی باتیں ہیں
بیگم اٹھ کھڑی ہوئیں ـــ

بیٹھو ـــ بیٹھو ـــ تم خفا ہو گئیں! میں نے کہا ـــ تم جانتی ہو کہ اگر تمھارے کام ـــ!

بس بس رہنے دیجئے للو چپو کرنے کو! دیکھا ہے ـ دو گز ململ تو آپ کے لائے نہ لیا گیا ـــ

بڑبڑاتی ہوئی بیگم باورچی خانہ کی طرف چلی گئیں ـــ

میں بڑی دیر تک ـ تریا ہٹ ـ کی اس الجھن میں پڑا رہا ـــ لڑائی کی وجہ سے گرم کپڑا تو عنقا ہو گیا ہے ـ اور یہ عورتیں ہیں کہ بیٹھنے نہیں دیتیں ـــ دوپٹوں کی ململ وہ غایب ـــ کنٹرول والے ہیں کہ ساری دنیا کو ساڑیاں پہنا دینا چاہتے ہیں ـــ یہ نہیں جانتے کہ ہندوستان کی عورتیں ساڑیوں کے علاوہ ایک طرح کا اور بھی لباس پہنتی ہیں ـــ جس میں ایک چیز دوپٹہ بھی ہوتا ہے ـــ

سامنے پڑے ہوئے اخبارات کی سرخیاں نگاہوں کے نیچے ناچ رہی تھیں ـ مہاتما گاندھی نے مسٹر جناح کو مالش کرنے کی ہدایت کی ـ مسٹر چرچل کیوبک سے آگئے ـــ راجہ فارمولا ایک لعنت ہے دیس کیلئے ـ

یہ معلوم ہوتا تھا جیسے یہ سرخیاں کھٹے کھاتی تھیں ـــ اگر مسٹر جناح نے گاندھی جی کے کہنے سے تیل مالش شروع کر دی تو کیا ہندوستان آزاد ہو جائیگا ـــ ؛ اگر مسٹر چرچل کیوبک سے واپس آگئے تو ـــ الحمد للہ ہوا ـــ

لعنت ہے تو ۔۔۔۔!

یہاں تو یہ فکر تھی کہ کہ بیگم ناراض ہو گئیں تو یہ ۔ سوا لاکھ روپیہ کا

پھر کہاں سے آئیگا اس لڑائی کے زمانہ میں جو ادا کیا جائیگا ان کو ۔۔۔ اور ان پاؤ درجن

لڑکوں کو کس یتیم خانہ میں داخل کیا جائیگا ۔۔۔۔!

کھانا کھا کر دفتر روانہ ہوا تو وہاں بھی یہی سوچ رہا تھا ۔ کیونکہ چلتے وقت

بیگم کی نگاہیں ۔۔۔ غضب آلود نگاہیں اب یہی تھیں کہ شام کو ملینہ نہ لائے ۔۔۔ تو

ایک عجیب مخمصہ میں جان تھی ۔۔۔ میں نے سوچا کہ واقعی شادی بیاہ بھی کیا

جھنجھٹ ہے ۔ غم نہ داری بز بخر ۔ ممکن ہے پُرانے زمانے میں یہی ٹھیک ہو

مگر اب آج کل تو جس کے سر کوئی جھگڑے نہ ہوں اسے چاہیئے کہ بیاہ کرلے ۔ گویا

کہ بیٹھے بٹھائے اتنی مصیبتیں آجائینگی ایک ساتھ کہ جینا دشوار ہو جائیگا ۔

اب یہی دیکھ نہ لیجئے کہ یہ بیگم صاحبہ جو ہیں ۔۔۔ ان سے کس مردود نے

کہا تھا کہ آپ رفیقۂ حیات بنجائیے ۔۔۔ خوش قسمتی یا بد قسمتی جو سمجھ لیجئے ۔۔۔ جو ایسے

کہ اماں جان کی نند کے گھر پیدا ہوئیں ہے ۔۔۔ اور ٹھیکرے ہی میں مانگ لی گئیں

میرے لئے ۔۔۔ میں تو پہلے ہی جانتا تھا کہ ایسی ۔ جرنیل عورت ۔ سے نباہ ہونا

دشوار ہے ۔۔۔ مگر اب ۔۔۔ اب ۔۔۔ اب تو کچھ بھی نہیں ہو سکتا ۔۔۔ ایک آدھ نہیں

پورے پاؤ درجن لڑکے بھی ۔ فلما ، چکی ہیں وہ ۔۔۔ طلاق کے معاملے میں انسان

دیوالئے کی درخواست بھی دے سکتا ہے ۔ لیکن ان پاؤ درجن بچوں کی ولدیت

سے تو منکر نہیں ہو سکتا ۔۔۔ !

چھوٹی تنخواہ ۔۔۔ تین تین بچے ۔ ایک بیوی ، اور سب سے زیادہ ۔۔۔

بی نصیبن ۔ اللہ رکھے ۔ روز ہی دو ایک چینی کے برتن شہید کرتی ہیں ۔ لالٹین کی چمنی پھوڑ دی ۔ شیشہ کا گلاس توڑ ڈالا ۔ پوری گھڑونچی الٹ دی ۔ اس پر طرّہ یہ ۔ روزانہ دھمکیاں دیتی ہیں کہ میرا حساب کر دیجئے ۔

دو گز ملینہ کی تو خیر کوئی ایسی بات نہیں ۔ جہاں سو وہاں سوا، سہی ۔ مگر بیگم کی ۔ تریا ہٹ ۔ تو اب دن بدن بڑھتی ہی چلی جا رہی ہے ۔ اور یہ جب سے مہاتما گاندھی نے ۔ بھوک ہڑتال ۔ کا طریقہ نکالا ہے ۔ ایک نئی مصیبت پیدا ہو گئی ہے ۔ جب خفا ہوئیں بھوک ہڑتال ۔ جب بگڑیں ۔ مرن برت ۔ آئے دن یہی سیاسی تحریکیں میرے گھر میں زور پکڑتی جا رہی ہیں ۔!

کام میں کس کا جی لگتا تھا ۔ سارا دن یہی سوچا کیا ۔! قریشی صاحب سے پہلی کے وعدہ پر پچیس روپیہ قرض لئے ۔ دفتر سے اٹھ کر بزاز سے آیا ۔ بڑی دوڑ دھوپ اور تلاش و جستجو کے ایک جگہ گلابی رنگ کا ملینہ ملا ۔ خدا خدا کر کے ایک کاغذ میں جلدی جلدی لپیٹ کر جیب میں رکھ کر گھر کی طرف روانہ ہو گئے ۔

یکے تانگوں کی ۔ پوں پوں ۔ سے بچتے بچاتے جو گھر میں پہونچتے ہیں تو ایسا معلوم ہوا جیسے یہ ۔ وار دھا نگر ہے ۔ ہم وار دھا سے ہو رہے ہیں ۔ یعنی کہ سارے گھر میں ۔ مرن برت ۔ اور بھوک ہڑتال ۔ تھی ۔!

بیچوں بیچ انگنائی میں کھٹولے پر بی نصیبن اپنے جھوٹے پھیلائے ہوئے کنگھی فرما رہی تھیں ــــ وہی ٹوٹی کنگھی جو اس وقت اُن کے ساتھ جہیز میں آئی تھی ــــ جب کہ ــ بابل مورا نیہر چھوٹا جائے ــــ!

محبوب اور مرغوب اندر والے کمرہ میں تخت پر چپ چاپ پڑے تھے ــــ اور دالان میں بیگم مُنہ پھلائے میری قسمت کا رونا رو رہی تھیں ــــ!

گھر میں داخل ہوتے ہی ایک ہلڑ سا مچ جاتا تھا ــــ مگر آج تو بی نصیبن تک اس قدر محوِ آرائش تھیں کہ ان کو میرے گھر میں آنے تک کی خبر بھی نہ ہوئی ــــ میں روزانہ دفتر سے آکر ناشتہ کرنیکا عادی تھا مگر آج ــــ باورچی خانہ میں ایسا سناٹا تھا جیسے آج ہی اس گھر میں کوئی غمی ہوگی ہے ــــ!

بیگم کے پاس جو پہنچا تو وہاں کا رنگ ہی دوسرا تھا ــ میں نے پوچھا ــ کیسی ہو ــ مگر کوئی جواب نہ ملا ــــ ناشتہ کو پوچھا اس کا بھی کوئی جواب نہیں ــــ آج کھانا کیوں نہیں پکا ــ اس کا بھی جواب نہیں ــ! گویا کہ ایک چپ میں سو بلائیں ٹل رہی تھیں ــــ بڑی دیر تک سوچتا رہا کہ آخر معاملہ کیا ہے ــ؟ یکایک خیال آیا کہ یہ ہے ۔ دو گز ملینہ ۔

جوں ہی جیب سے ملینہ نکال کر دیا ــ کھکھلا کر ہنس پڑیں ــ!

منہ لاتے ملینہ تو جانتی ــــ ارے نصیبن میاں کا ناشتہ لگاؤ ــ "

ـــــ ❊ ـــــ

منجدھار

چچا ـــ اگر ایک ہزار کا ہوتا ہو تو بات پکی کرا دوں۔
ریشور نے فیصلہ کن انداز میں بکرما سے کہا ـ ؟
ایک ہزار تم کہتے ہو ـــ بکرما بولا ـــ میں تو دو ہزار خرچ کر دیتا۔ ملیا
کے بیاہ پر ـــ مگر یہ تو دیکھو ـ سمے کیسا لگا ہے ـــ سب تو سب لڑائی
کے چندوں نے سب سے زیادہ دیوالہ نکال دیا ہے ـــ ابھی اگہن میں
دوانی روپیہ کی تحصیل ہو چکی ہے ـــ اب سنا ہے کہ بیساکھ میں چونی گذ
وصول کیا جائیگا ـــ پھر مل پر، الگ وار فنڈ، کنٹھا ہے، ڈر، پڑاؤ،
پرکتوقی کے ساتھ الگ! یہ سمجھ لو کہ کسان کو بچا ہی کیا ہے ـــ ضلعدار اور
کارندوں کی دھمکیاں الگ! بھگوان جانے کیسے بیاہ کر رہا ہوں! کل
چار بیگھہ دنگھ ہے اور اس پر سارا خرچا پھیلا رکھا ہے ـــ سب سے زیادہ
ملیا کا بیاہ ـــ

یہ بپتا تو سنسار کے ساتھ ہے چچا ـــ ریشور نے جواب دیا! ـــ
خود مجھے دیکھو اسی سال خالی ایک ہزار مقدمہ بازی میں تاپ چکا ہوں ٹھاکر سے
پھنسا ہو گیا تھا ـــ وہ شہر کے زمیندار دریں ایک غریب آدمی ـــ پر میں نے

سوچ لیا کہ میں تو کسی نہ کسی طرح کما ہی کھاؤں گا لیکن ان ٹھاکر صاحب کی زمینداری بگوا کر دم لوں گا ___ ہم لاکھ پاسی سہی مگر اب ایسا بھی نہیں کہ وہ چھتری ہو کر دوسروں کی عزت بگاڑتے پھریں ___ !

آبرو کا معاملہ ہوتا ہی ایسا ہے ___ پاسی ہوئے تو کیا ___ کبھی ہمارے پرکھے بھی یہاں راج پاٹ کر چکے ہیں ___ یہ ان ریت تو ان اونچی ذات والوں نے ہمکو مٹانے کیلئے شروع کی ہے ___

بکرما نے تاریخ کی روشنی میں "رج پاسیوں" کی خاندانی عظمت کو دہراتے ہوئے کہا ___ !

کلجگ کی مایا ہے ___ غریب کی آبرو ۔ بھگوان جانے ان بڑے آدمیوں کی نگاہوں میں کیا رہ گئی ہے اب ___ نہیں تو پرانے زمانے میں کبھی ایسا نہیں ہوا جیجا ___

رمیشور کہنے لگا ___

ہاں بھیا ___ غریب کی آبرو ___ ! بکرما کہتے کہتے رک گیا اور بات کا رخ بدلتے ہوئے بولا ___ !

"رمیشور" ! مجھے اس وقت بس یہی "چنتا" ہے کہ "ہلسیا" کے کام سے فرصت مل جائے ___ !

میں نے تو کہہ دیا جیجا ___ چندن ایک ہزار مانگتا ہے ___ اور یہ بھی سمجھ لو ایسا لڑکا دس بیس کوس میں نہ ملیگا ۔ کھیتی باڑی کا سارا کام خود کرتا ہے اور پڑھتا بھی ہے ! ہلسیا سدا سکھ چین سے رہے گی ۔

رمیشور نے جواب دیا —:

خیر اگر چندن نہ مانیں تو اقرار کر لینا — ورنہ میری بساط تو جتنی ہے
تم خوب جانتے ہو — اچھا اب نہ آ گیا۔ دو — اور جتنی جلدی ہو سکے
بات چیت پکی کر کے خبر دینا تاکہ چھدن۔ ہو جائے —

بکرما اٹھ کھڑا ہوا —

ہاں ہاں — رمیشور نے کہا — بے فکر رہو بھگوان نے چاہا تو
سب کچھ جلدی ہی طے کر کے خبر دوں گا —!

جے رام — جے رام — کہتے ہوئے دونوں ایکدوسرے سے جدا ہو گئے۔

پاسیوں کے کولھو پر آج کچھ زیادہ بھیڑ تھی — سرِ شام ہی جگرن
مراؤ — نند الکھا — منسا ناتھ اور ٹھاکر ستروہن سنگھ۔ گرجاؤ سے اور دوسرے
جمع ہو گئے تھے۔ جنکی ٹولی سارے گاؤں میں مشہور تھی — یہ لوگ آدھی آدھی
رات تک بکرما پاسی کے گھر کے چکر کاٹا کرتے تھے — چھمن بنیئے کی دکان
سے بیڑی کا بنڈل لیکر سرِ شام ہی یہ لوگ ادھر پہنچ جاتے — اور جیسے ہی
بلتیا جنگل جانے کیلئے اپنے گھر سے نکلتی یہ سب لوگ بھی کھانستے کھنکھارتے
اس کے پیچھے ہو لیتے — سیٹیاں بجاتے اور دیکھتے دیکھتے سُروں میں گنگناتے
— خدا جانے کیا — مگر اس نے کبھی نگاہ بھر کر بھی ان لوگوں کی طرف نہیں دیکھا
شاید وہ سمجھتی تھی کہ وہ لوگ زمیندار — ٹھاکر بسنگھ کے بیٹے ہیں تو پھر کیا
نہیں کر سکتے۔ گاؤں میں ان کی۔ چلتی۔ تب ہی تو ہوں جو جب پر چاہیں دباؤ ڈال سکیں

بیگار کو پکڑوا بلائیں گے " میرا باپ تو کورٹ کی " پٹی " میں بستا ہے اور کورٹ ہی میں زمین جوتے ہے۔! وہ ہمیشہ ان لوگوں سے کترا جاتی تھی۔

آج بکرما کی " پیر " تھی اور پاسیوں کے " گڑور " پر اچھا خاصا جمگھٹا لگا ہوا تھا کیونکہ آج ساری رات کی " پیر " میں ہلسیا کا ہونا ایسا ہی ضروری تھا جیسے بکرما کا ـــــ اونکھیں لگانا ـ جھونکنا ـ رس چھنوانا اور " پاگ " جمانا ـ یہ سب کام ہلسیا ہی کو کرنا پڑتے تھے ـــــ بکرما تو گڑور میں لیٹا لیٹا حقہ پی پی کر صرف کھانسا کرتا تھا ـ یا کبھی کبھی اونگھائی سے چونک کر کہتا۔

" ہلاسا ـــــ تنی چلم بھردے "

سورج نکلتے نکلتے ہلسیا اور اس کا چھوٹا بھائی " جگا " چھ چھ پسیری کی دو بھیلیاں جما کر رکھ دیتے اور بکرما نگاہوں ہی نگاہوں میں یہ اندازہ لگایا کرتا کہ اگر یہ گڑ کی بھیلیاں یہیں " چکتے " میں بک جائیں تو گاڑی کا کرایہ ـــــ چونگی کا محصول اور کٹوتی کے جھگڑوں سے چھٹکارا مل جائیگا ـ نہیں تو انتظار کرنا پڑے گا کہ جب یہ " تیرپان " پورا ہو جائے تو شہر نکل جائیں ـــــ مگر آج کل بھاؤ تو گھڑی گھڑی چڑھتا اترتا ہے ـــــ ابھی پرسوں سوا چار سیر کا بھاؤ تھا ـ کل ہی معلوم ہوا کہ ساڑھے چار سیر کا ہو گیا ـــــ

بکرما کی نگاہیں آج " گڑھاؤ " کے بیک ایک گھان میں ہلسیا کا بیاہ رچا ہوا دیکھ رہی تھیں وہ سوچ رہا تھا کہ اگر چار بیگہ اونکھ میں سب خرچہ نکال کر پانچ سو بھی بچ گئے تو پانچ سو کا ہیں اور سے بندوبست کر کے اس سال ضرور " ہلسیا " کا بیاہ نپٹا دوں گا ـــــ پہاڑ ایسی جوان لڑکی ـــــ گاؤں کا رنگ الگ

بے رنگ — پھر غریبی — جانے کیا ہو — ابھی تھوڑے ہی دنوں کی بات ہے
کہان ٹھاکر لوگوں نے چھپا چمار کی آبرو بگاڑ ڈالی — قسم تو ستروہن سنگھ اب
بھی کھاتے ہیں کہ کوئی بات نہیں ہوئی — مگر جنکا نے بھرے پنچوں میں
گنگا اٹھالی — کہ ..... کہ ..... یہ لڑکا انہیں ٹھاکر ستروہن سنگھ کا ہے
— پھر اگر ان کا لڑکا نہیں تھا تو ودھ جی کو دو سو روپیہ پونجی کیوں دیئے — اس
ڈرنگ پور میں جو یہ چھوت لگ گئی ہے وہ انہیں پاپوں کی کرنی ہے —
چاروں طرف ایک ہائے ہائے مچی ہوئی ہے — آج اس کے کھیت
کٹ گئے — کل اس کا کھلیان پھونکا گیا — پرسوں اس کے گھر تک
سیندھ کٹ گئی! میری چارپٹیاں بھی گاؤں تک بیت گئیں نہ بیاجی
باپ اور دانہ پانی نہ ہوتا تو کیسے بسر ہوتی —

صبح ہوتے ہی پاس پڑوس گاؤں کے بیوپاری گڑ خریدنے کیلئے
آ گئے جو دونے پونے گڑ خرید کر شہر کی منڈی میں خوب نفع کماتے تھے
بدھرما کا سودا بھی سامنے آ گیا — مگر موتوں میں کچھ بات ایسی بگڑ گئی کہ بدھرما نے
قسم کھا لی کہ چاہے تم ایک روپیہ سیر بھی نہ دو — تب بھی تمہارے
ہاتھ کبھی نہ بیچوں گا — اب جو لے اس کے گھر بیٹھا ہنپیا تیرے بھائی چوپال سے شہر
لیجانے کی گاڑی بھی تاکوئی صورت ہی نہ تھی — اس کے پاس کل پانچ جٹیاں
تیار تھیں جب تک پوری تیرہ چودہ نہ ہو جائیں گاڑی بھرنے میں کوئی فائدہ
بھی نہ تھا — تب سوچ کر بادانے اپنے حصہ داروں سے کہہ دیا کہ بھائی میری

"اودسری" میں تم پیر لینا۔ مجھے یہ "تیرتھان" پورا کر لینے دو۔ شنکر اہیر ذرا سخت مزاج آدمی تھا مگر بکرما کی لجاجت بھری التجا وہ بھی نہ ٹھکرا سکا۔!

کل کی پیر میں ستروہن کی پارٹی آدھی رات تک بھٹی ہوئی تاپتی رہی مگر "ہلتیا" نے کسی کو موقع ہی نہ دیا۔ اسی سے گھبرا کر باری باری سب لوگ ٹھٹھرتے جاڑے میں اپنے گھروں کی طرف چلے گئے۔! لیکن آج ستروہن نے یہ سوچا کہ شائد اس بھیڑ میں زندگی بھر ہلتیا سے بات ہی نہ ہو سکے۔

اس لئے آج دس بجے کے بعد جب آگ تاپتے تاپتے بہت سے نوجوان مایوس ہو کر جا چکے تھے وہ "گڑور" پر پہونچا۔ بکرما "گڑور" کے اندر رضائی اوڑھے ہوئے چپ چاپ لیٹا تھا۔ اور ہلتیا کڑھاؤ کے سامنے بیٹھی ہوئی جھونکنا جھونک رہی تھی جس کی تیز تیز لپٹیں بھٹی کے اندر سے نکل کر دور دور تک روشنی پھیلا رہی تھیں۔!

ستروہن چپ چاپ جا کر آگ کے پاس بیٹھ گیا "جگا" اونگھا اونگھا کر کولھو میں اونکھیں لگا رہا تھا۔ اور بڈھا کنورمنہ سے دھوتی اوڑھے ہوئے بیل ہانک رہا تھا۔!

کیا بکرما کاکا سو گئے۔؟

ستروہن نے ہلتیا کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھا۔ مگر اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔

کتنی دیر ہے اس پاگ میں۔

ستروہن نے دوسری طرح پر سلسلہ کلام شروع کرنے کی کوشش کی

— لیکن بلیا نے اب بھی کچھ جواب نہیں دیا ۔۔۔

کیا سو گئی بلیا ۔ ؟

ستروہن ذرا قریب کھسک گئے ۔

نہیں تو ۔۔۔ کچھ اونگھ آ رہی ہے ۔

بلیا بولی ۔

تو بس ۔۔ میں جھونک دوں ۔۔۔ ذرا آنکھ لگا لے تو بھی ۔

ستروہن وہ بھی نزدیک پہونچ جانا چاہتے تھے ۔

نہیں دو ۔۔۔ رہنے دو ۔ ابھی تو تین دن یہی کرنا ہے ۔ جب تک ستروہن

[illegible] ہوگا ہم دونوں [illegible] ۔۔۔

[illegible] ۔۔۔

[illegible] ۔۔۔ ستروہن ہٹ گئے ۔۔۔ [illegible]

جھونک دوں گی ۔ جب ستروہن جھونکنے کے قریب پہنچ چکے تھے تو بلیا [illegible] کی [illegible] پہونچ گئی تھی ۔۔۔ [illegible] کالی کالی [illegible] دھنی اور [illegible]

[illegible]

[illegible] بھی گھنٹہ بھر بھی نہیں ہوا تھا [illegible] کی بھٹی سے

نکلتے ہوئے [illegible] شعلے [illegible] پہونچ گئے تھے ۔ گرم گرم شعلے

[illegible] سوکھی ہوئی پتیوں کے نیچے سے [illegible] شعلے

[illegible] بلکہ [illegible]

[illegible] برف کی [illegible] جیسے [illegible] گرم [illegible]

کس نے چھو دی ہوں ـــــ وہ چونک سی پڑی ـــــ بدن خود بخود سکڑ گیا ـــــ یہ تو کسی کے ہاتھ تھے ـــــ۔

ستروہن دادا ـــــ!

وہ اٹھ بیٹھی ـــــ لیکن اسکی نگاہوں سے غیظ و غضب کے آثار نمایاں تھے ـــــ

بلسا ـــــ ستروہن بلسیا کو بلسا بنا دینا چاہتے تھے! دُپٹہ کرو مجھ پر دیا ـــــ! ... نہیں تو تمہارے کارن میری جان جائیگی ـــــ

بس ہو چکا ـــــ وہ کہنے لگی! ٹھاکر رہنے دو! اگر کسی نے سن لیا تو میں کہیں کی نہ رہوں گی ـــــ؟

مگر ـــــ وہ تو کسی نہ کسی دن سب سن ہی لیں گے! جب میں نہ ہوں گا تو گاؤں بھر سارا حال جان جائیگا ـــــ

ستروہن نے بدنامی کی پوری دھمکی دیتے ہوئے جواب دیا ـــــ! اتنے میں بکرما گڑور میں کھانسنے لگا ـــــ!

اری بلسیا ـــــ چلم بھر دے ـــــ!

ستروہن جلدی سے اٹھکر اپنے گھر کی طرف چلدیا یہ کہتے ہوئے کہ کل آؤں گا ـــــ!

رو سے اور ڈھاک کی سوکھی ہوئی پتیاں اور ٹہنیاں جھینکتے ہوئے بلسیا سوچ میں پڑگئی ـــــ کہ بھگوان اب کیا ہوگا ـــــ؟ اگر ستروہن نے بدنام

ہی کر دیا تو پھر کیا ہوگا میں تو کہیں کی بھی نہ رہوں گی — بھگوان جانے لوگ کیا سمجھیں — اور رشیوریا کیا خیال کریں — کہیں گے کہ اس نرسنگ پور کی تمام لڑکیاں ایسی ہی ہوتی ہیں —!

گرم گرم آنچوں کے سامنے جمائیاں لیتے ہوئے اس نے ایک بھرپور انگڑائی لے کر پھر اپنے خیالات کو سمیٹنے کی کوشش کی — کتنا پاپی ہے ستروہن میں تو اسے . دادا . کہتی ہوں — اور — . . اور!

یکایک اس کی نگاہیں پتلی ہنسلی کے نیچے تک پہنچ گئیں۔ جہاں سے کالی کالی اوڑھنی سرک کر اس کے دونوں شانوں پر آ پہنچی تھی۔ ایسا محسوس ہونے لگا . جیسے دو گرم گرم تیز شعلے ٹوکتی ہوئی چیونٹیوں نکل کر اس کے سینے تک پہنچ گئے ہیں — تڑپنے کی ایک شرم نے اس کی نگاہیں جھکا دیں —

پاس ہی سے بھیا کی چھاگل بل رہی تھی۔ تنور کی آگ بڑی طرح تیز ہو چکی تھی وہ سست و بے خود نگاہ سے ہوئے واقعات کو سوچ رہی تھی جو ابھی تھوڑی دیر ہوئے بیت چکے تھے!

ابھی — سامنے چلم کے دو بارہ گھونٹ کھینچ کس کس کر پی چکا تھا — وہ بپھی ہوئی روشنی میں تو اس کے سینے تک پہنچ گیا تھا — دیکھا ایک دبی ہوئی آہٹ پیچھے معلوم ہوئی — مُنیا نے دیکھا تو وہ سامنے کھڑا تھا — جیسے ہی دبے وہ اس کے قریب پہنچ گیا.

مُنیا کے پاس چپ چاپ بیٹھ کر بھٹی سے نکلتی ہوئی لپٹوں سے

وہ اپنے ہاتھ سینک رہا تھا ۔۔!

بتیا ۔۔ مجھے بھی آگ میں ڈال دو ۔۔ نہیں تو میں خود ہی پھاند پڑوں گا ۔۔ تن بدن کی آگ شعلہ ہو کر ہی رہیگا ۔۔!

ستروہن آج سب کچھ کہہ ڈالنا چاہتا تھا ۔۔!

بولو ۔۔ بولو! کیا کہتی ہو ۔۔ ایک ذراسی بات!

وہ کانپنے لگی ۔۔ اس کی نگاہوں میں غیظ و غضب کے بھڑکتے ہوئے شعلے بجھ گئے ۔۔ اور ۔۔ اور ستروہن اس سے قریب ہوتا چلا گیا ۔۔ اتنا قریب کہ ان کے جسموں سے نکلتے ہوئے بہت ہی تیز شعلوں نے بھٹی کی آگ کو بالکل سرد کر دیا ۔۔۔۔۔۔! اتنا سرد کہ اونگھتے ہوئے "جگا" نے کولھو کے پاس سے پکار کر کہا ۔۔:

بتیا ۔۔ آگ ٹھنڈا ہوا جاتا ہے ۔۔ کیا سو گئی ۔۔؟

سوکھی ہوئی گھاس اور پتیوں سے ایک آہٹ کا طوفان امنڈ پڑا ۔۔ وہ گھبرا کر اس سے الگ ہو گئی اور دونوں ہاتھوں سے ڈھاک اور روسے کے سوکھے ہوئے پتوں کو سمیٹنے لگی ۔۔!

ملتیا کے بیاہ کی بات چیت پکی ہو چکی تھی اور ربکرما نے "چھدن" کی رسم بھی ادا کر کے گویا چندن پاسی کے لڑکے کو باقاعدہ داماد بنا لیا تھا ۔۔ صرف "بجنوری" اور "گونا" باقی تھا ۔۔!

اس دن کے واقعہ کے بعد ملتیا اور ستروہن اکثر چھپ چھپا کر ملتے

رہے یہاں تک کہ یہ چھپ چھپ کر مانا چھپ نہ سکا — اور ملتیا نے ایسا محسوس کیا جیسے اس کے پیٹ کے اندر پورا "پنجاب میل" دوڑ رہا ہے بہت تیزی کے ساتھ بھک بھک کرتا ہوا — جس کے انجن میں کئی درجن گاڑیاں لگی ہوئی ہیں —! بیاہ میں ابھی پورے تین مہینے باقی تھے اور یہ بڑھتی ہوئی تبدیلی دن بدن اسے حیران کئے ہوئے تھی! آخر اس نے دبی ہوئی زبان میں ایک دن سترو ہن سے کہا:—

ٹھاکر — تمہیں کچھ خبر ہے — میں تو ماں بن رہی —!

کیوں ملتیا کیا ہوا —؟

ٹھاکر نے پوچھا —۔

تمہارا پاپ رنگ لا رہا ہے —!

وہ مسکرا رہی —!

میرا پاپ! سترو ہن نے دکھے پن سے جواب دیا — جیسے تم تو نردوش ہو —!

نردوش تو نہ تم ہو نہ میں — پر تمہارا دوش زیادہ ہی ہے۔

[illegible] نے کہا۔

تو تم پچھتا رہی ہو — اب —؟

ٹھاکر بولو —۔

یہ میں کیا جانوں — دو مہینے بعد میرا بیاہ ہوگا —

ملتیا نے ٹھاکر کے چہرے پر آنکھیں جما دیں —!

پھر کیا ہے ـــ وہ کہنے لگے پھر ـــ دو بیگھا کو بلا جوتے بوئے ـــ بے محنت مشقت کئے ـــ فصل تیار ہو جائیگی ـــ

بیوقوف ـــ جھنو! ہلتیا نے تنک کر کہا ـــ تم تو مذاق کرتے ہو مذاق ـــ یہ اچھی کہی تم نے! تمہارا کرنا ہی کیا. میں اس معاملے میں کیا کر سکتا ہوں آخر ـــ؟

یہ میں کیا جانوں ـــ اب میری ان کے بارے کیا سمجھ ہے!

ہلتیا نے جواب دیا ـــ!

مگر ـــ مگر! میں اس معاملے میں بالکل مجبور ہوں ـــ!

ستروہن نے کہا ـــ اب مجھے دیر ہو رہی ہے ـــ جا رہا ہوں ـــ!

ہلتیا کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں ـــ اور وہ دیکھتے ہی دیکھتے لمبے لمبے قدم اٹھاتا ہوا چلا گیا ـــ!

جوں جوں ہلتیا کے بیاہ کے دن نزدیک آتے جا رہے تھے اس کی حالت دن بدن خراب ہوتی چلی جا رہی تھی، ہلکا ہلکا سا بخار ـــ بھاری بھاری سر ـــ بُری بُری ڈکاریں ـــ کچھ عجیب عالم تھا ـــ سب سے زیادہ یہ سوچ کہ اب کیا ہوگا ـــ؟ اپنی ظاہری حالت کو چھپانے کے لئے وہ بہت ہی کم اپنے گھر سے باہر نکلتی ـــ لیکن اس کے باوجود بھی بھلے چنگے والی عورتوں نے تمام کیفیت بھانپ لی تھی ـــ اور سارے گاؤں میں جوان اور بوڑھی عورتیں کھسر پھسر کر رہی تھیں ـــ عجیب عجیب قسم کی چہ میگوئیاں ـــ!

کوئی کہتا ہے کہ یہ تو صدا کی ایسی ہی تھی — کسی کا خیال تھا کہ اس کی ماں
اور تمام کنبہ ہی ایسا ہے — خود ملتیا بیاہ کے تیسرے مہینے بعد پیدا
ہوئی —

مختصر یہ کہ سارا نرسنگ پور دھیرے دھیرے سلگ رہا تھا —
اس لئے نہیں کہ نرسنگ پور میں یہ کوئی پہلا واقعہ تھا بلکہ اس لئے کہ یہ ایک
غریب پاسی کی آبرو کا سوال تھا، وہ سمجھ نہ پاتے تھے۔ ٹھاکر ملکھان سنگھ
کے گھر میں کیا ہو رہا ہے جو اس گاؤں کے سب سے بڑے زمیندار ہیں —
قسم سے ایسے [illegible] واقعات آئے دن اس گاؤں میں ہوتے رہتے تھے۔
آج ملتیا کا باپ گناہ کی اس دنیا میں [illegible] تھا جہاں پاپ پاپ — نہ پاپ
بن جاتا ہے۔ ملتیا نے کئی بار ٹھاکر [illegible] سنگھ سے دعا کی — مگر
ہمیشہ ٹھاکر نے بڑی سختی سے دھتکار دیا — جیسے اس کے باپ سے نہیں اس
کا کبھی واسطہ نہ تھا — مگر ماں کے کان بھی اب وہ سب سن چکے تھے جو
ایک باپ کو نہ سننا چاہیے تھا — [illegible] کا یہ فقرہ [illegible]
سنتے ہوئے چلا جا رہا تھا — چپ چاپ! بالکل خاموش — ایک
ایسی منزل کی طرف جہاں تباہیاں ہی تباہیاں تھیں —

اس گاؤں کے بچے بچے کی زبان پر صرف ایک ہی کہانی — ایک
فسانہ اور ایک ہی قصہ تھا — پھر بھی [illegible] اگر [illegible] جاتی [illegible] گھر میں
پڑوس سے دیہات میں اس کا پتہ چل جاتا تو تعجب ہی تھا — چنانچہ
ملتیا کا باپ [illegible] رہا تھا — چپ چاپ [illegible]

رہا تھا ــــ اور من ہی من شور مچا رہا تھا جیسے دنیا میں سب سے پہلا پاپ
ملتیا ہی نے کیا ہے ــــ

بکرم آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ساری دنیا کی طرف دیکھ رہا تھا بے بسی
اور لاچاری کے ساتھ ــــ بھگوان یہ کیا ہو گیا ــــ ایشور کس جنم میں میں نے
وہ کون سا پاپ کیا تھا جس کا پھل آج تک بھگت رہا ہوں ــــ جس کی سزا دی
جا رہی ہے مجھے ــــ اب میں رشتے چندن سے دو اور بے چارہ
ملتیا کا پاپی ہو کر پورا سنسار کیا کہے گا ــــ بھائی ــ بندو ہی وہ سارا سنسار کیا
کہیگا مجھے دنیا کیا سمجھے گی۔

اور ــــ اور ــــ بھگوان اب کیا ہوگا ــــ وہ کیسا کیسی آنکھیں
موند لیا جو اس پاپی سنسار کی رنگین روشنی سے اکتا گئی تھیں ــــ یہ
کلجگ ــــ اپنا کے ــــ اندھیر ــــ پرماتما کہاں ہے ــــ
دھرتی ماتا تو نے اس جیون سنسار کو کیوں نگل نہ لیا اب تک۔

جیجا ــــ میری ناک بھی کٹوا دی تم نے۔

اس کے کان بجنے لگے ــــ رشیور کہہ رہا تھا سامنے کھڑا ہوا ــــ

بکرما سوچنے لگا کہ اگر رشیور یہ کہیگا تو میں اسے کیا جواب دوں گا ــ میری
آنکھیں بھی اس سے چار نہ ہو سکیں گی ــــ

بکرما کا خیال غلط نہ تھا ــــ چندن اور رشیور کو جب یہ خبر پہنچیں
تو صاف صاف انکار کر دیا کہ وہ ایسی پاپی لڑکی سے بیاہ کرنے کے لئے تیار نہیں
ہیں ــــ بیچارہ بکرما اس کا جواب ہی کیا دیتا ــــ اپنی مجبوری اور لاچاری کی پر دل

محسوس کر رہ گیا —

اپنی نگاہوں کے سامنے اپنا گھر اجڑتے دیکھ کر اسے سارے سنسار سے نفرت ہو چکی تھی — یہاں تک کہ خود اپنی ذات سے بھی — ایک ایسی نفرت کہ اگر اس کا بس چلتا تو اپنے بدن کی بوٹیاں تک نوچ نوچ کر ان کووں کو کھلا دیتا جو سارا دن اس کے باجرے کے کھیتوں کو ستیاناس کرتے رہتے ہیں — ایک ایسی نفرت کہ اگر اس کی بوڑھی ہڈیاں جواب نہ دے چکی ہوتیں تو وہ [illegible] کو زندہ بھان جیتا میں دھکیل کر [illegible] کاری کاغذات کی تائید کر دیتا کہ [illegible] کی قوم ہندوستان میں سب سے بڑی [illegible] قوم ہے — یہی سب کچھ سوچتے سوچتے وہ قریب قریب پاگل ہو گیا تھا — [illegible] شدت میں خدا جانے کیا کچھ بکتا رہتا دن رات —

اتنے دنوں میں اس نے کبھی بھی بٹیا سے یہ نہ پوچھا کہ آخر یہ تو نے کیا کیا — شاید وہ سمجھتا تھا کہ وہ خود بھی یا اس نے یہ سوچا ہو کہ پنچھی جیسے مکان کی دیواریں تالاب کی [illegible] بھری نہیں جاتیں —

یہی حال بٹیا کا بھی تھا اس نے بھی باپ کے سامنے اپنی کوئی صفائی پیش کرنے کی کوشش نہیں کی — ایک [illegible] ہوئی [illegible] کھڑی ہو کر اپنے [illegible] — وہ بڈھے باپ کی جانکنی کا نظارہ کرتی رہتی — [illegible] بیٹھے بیٹھے وہ گہرا کر آتی جاتی سانسوں پر دھیان [illegible] زندگی میں [illegible] — [illegible] — بیٹا باپ جس نے [illegible] —

سارے گھر کی بربادی برداشت کی تھی ـــــ ! جو سب کچھ دیکھ رہا تھا اور خاموش تھا ـــــ جس نے کبھی بھولکر بھی اس سے کچھ نہ پوچھا ـــــ ! ـــــ مگر اس کی اکھڑتی ہوئی سانسیں جیسے ملتیا کو زندگی کا پیام دے رہی تھیں ـــــ ہمیشہ جینے والا پیغام ـــــ سدا زندہ رہنے والا پیام ـــــ کبھی نہ مرنے کا سندیس ـــــ کیونکہ پاپ کبھی مرتا نہیں ـــــ لوگ نیکیوں کو بھول جاتے ہیں ـــــ مگر برائیوں کو نہیں ـــــ ؟

بکرما کی زندگی کا ٹمٹماتا ہوا دیا بھڑک رہا تھا ـــــ ملتیا ٹکٹکی باندھے ہوئے اس کی طرف دیکھ رہی تھی کہ مرنیوالے کی آخری ہچکیوں نے شاید اسکی تمنا پوری کر دی ـــــ بکرما مر چکا تھا ـــــ ہمیشہ ہمیشہ کیلئے اس نفرت خیز دنیا کو چھوڑ چکا تھا ـــــ اور ـــــ اور ملتیا کے سامنے زمین پر اس کے "ان سمجھے پاپ" کی پہلی نشانی پڑی ہوئی بلک بلک کر رو رہی تھی شاید اس لئے کہ وہ اس پاپ کی دنیا میں آنا نہیں چاہتی تھی ـــــ

ختم شد